

اہل السنة

AHL US SUNNAH

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

شام جس کی صبح خون میں نہاتی ہے

فکری انحراف سے حفاظت

بنو امیہ پر الزامات کا جائزہ

حدیث خلافت تیس (۳۰) سال، تحقیقی جائزہ

پنج وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد مع فضائل و مسائل





سنہری قول

نبی کریم ﷺ کے فرمان کو چھوڑنا گمراہی ہے

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لَسْتُ تَارِ كَاشِيًا، كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ،
فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ تَرَكَتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ"

"میں کسی بھی ایسی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے مگر یہ کہ میں بھی اس پر عمل کروں
گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ ﷺ کے فرامین میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔"

(صحیح البخاری: ۳۰۹۳ و صحیح مسلم: ۱۷۵۹)

AHL US SUNNAH Volume No.6, Issue No.64, February-2017

جلد: ۶
شماره: ۶۴

فی شماره - 30/- Rs.

سالانہ - 300/- Rs.

فروری ۲۰۱۷ء

ماہنامہ

أهل السنة مبہنی

معاونین : ابوالبلیان رفعت سلفی، اسرار احمد سلفی، حافظ اکبر علی سلفی
فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی
گرافک ڈیزائنر : طارق بن عبدالرحیم شیخ

مدیر اعلیٰ: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مدیر: عبدالشکور عبدالحق مدنی
مدیر اعزازی: انصار زبیر محمدی

سی، ای، او: زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی
• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبر شپ رابطہ نمبر: 8291063765

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400058 | Ph.:022-26500400
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

الاهل السنة

اداریہ	شام جس کی صبح خون میں نہاتی ہے	انصار بن زبیر محمدی الاعظمی 05
درس حدیث	خلوص و وفا اور خیر خواہی	انصار زبیر اعظمی 07
عقیدہ و منہج	فکری انحراف سے حفاظت	عبدالہادی بن عبدالحق 10
بحث و نظر	بنو امیہ پر الزامات کا جائزہ	محمد جعفر انوار الحق الہندی 15
بحث و تحقیق	حدیث خلافت تیس (۳۰) سال، تحقیقی جائزہ	کفایت اللہ سنابلی 21
فضائل و مسائل	پنج وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد مع فضائل و مسائل	حافظ اکبر سلفی 30
فکر و نظر	ملت اسلامیہ ہند اور اس کے چند داخلی مسائل	رفیق احمد رئیس سلفی 38
آداب بندگی	”فما ظنکم برب العالمین“	اکرام الدین سلفی 40
فقہ و فتاویٰ	طلاق کے چند مسائل	ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی 43

شام جس کی صبح خون میں نہاتی ہے

انصار بن زبیر محمدی الاعمی

توجہ موڑنے کے لئے اہل سنت کی بعض نیم سیاسی اور نیم مذہبی تنظیموں نے جو رافضیت (شیعیت) اور شیعہ نوازی میں اپنے خلوص کی وجہ سے اپنا اصلی چہرہ چھپانے میں کبھی کامیاب نہیں رہیں، اور ان روافض کی ہمنوائی میں انہیں اقتدار کا ایک شارٹ کٹ راستہ نظر آیا، انہوں نے شیعہ سنی اتحاد (اتحاد ملت کے) نام پر میدان میں ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیا ہے۔ اور دشمن اسلام اور دشمن صحابہ خمینی کو ان کے مرکز دہلی میں جمعہ کے خطبہ میں دین اسلام کے مجددین کی فہرست میں شامل کیا جا رہا ہے، جس کی اس خطبہ میں شریک بعض حاضرین نے توثیق بھی کی ہے۔ اگر ان کی سعودی عرب کی دشمنی کا یہی حال رہا تو ہمیں خدشہ ہے کہ یہ لوگ کہیں آئندہ چل کر شیطان مردود کو مجددین میں نہ شمار کر لیں۔

چونکہ ان دنوں ان خونیں درندوں کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش جاری ہے، اور بعض علماء اور طلباء کی طرف سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی کتابوں کو پڑھنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، مولانا کی تحریروں میں سلاست اور یورپ کو لاکر اس کے مقابلہ میں اسلام کو سارے مسائل کا حل پیش کرنے کا جو عمدہ اسلوب ہے وہ متاخرین میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی مآذ خسر العالم بانحطاط المسلمین (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) اور خان صاحب کی الاسلام متحدی (مذہب اور جدید چیلنج) کے بعد کم کتابوں میں نظر آتا ہے، البتہ میں اپنے عزیز طلباء اور محترم دعا سے اتنی درخواست ضرور کرنا چاہوں گا کہ ان بزرگوں کی لغزشوں سے آگاہ رہنے کے لئے تصویر کا دوسرا رخ ضرور سامنے

اپنے نو جوانوں کی صحیح تربیت کئے بغیر یورپ کو چیلنج کرنے والے واعظوں اور قلم کاروں نے سماج اور معاشرہ میں جہاں یورپ کے خلاف باغیانہ مزاج پیدا کیا وہیں مسلم ممالک میں حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی فضا تیار کی۔ آج دنیا کے بیشتر مسلم ممالک میں بم دھماکے اور خون خرابے انہیں کی تقریروں اور تحریروں کا نتیجہ ہیں۔ جو آج سقوط حلب کے بعد منہ چھپا کر خموش بیٹھے ہیں۔ اس وقت شام کے شہر حلب سے لاشوں کا تعفن اپنے قاتلوں کو بے چین کر رہا ہے۔ جہاں شیعہ اور شیعہ نوازوں کے ذریعہ اہل سنت کے بے دریغ قتل عام نے ہر صاحب دل کو غم و الم میں ڈال دیا ہے۔ روس اور ایران کی مدد سے حزب الشیطان اور شام کے اقتدار پر براجمان ایک خونی درندے نے وہاں کے بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ کرنے اور نو جوانوں کے قتل عام کی جو تباہی مچائی ہے اس نے ہلاک و اور چنگیز خان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ان کے اس وحشیانہ پن کی وجہ سے ان پر اور ان کے ہمنواؤں پر ہر طرف سے لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ ویسے بھی پورے عالم اسلام میں ایران کی خونی جمہوریت اور رافضیت کی درندگی و سفاکی بہت پہلے بے نقاب ہو چکی ہے۔ شیعہ (روافض) کی طرف سے موسم عبادت ایام حج میں دہشت گردی۔ یمن میں حوثیوں کے ذریعہ دہشت گردی۔ عراق میں دہشت گردی۔ اور ایران میں اہل سنت پر ڈکٹیٹرانہ مظالم ایسے ہیں کہ دنیا والے خونی انقلاب کے زیر سایہ پنپنے والے اس خونیں اور اسلام دشمن انقلاب کی اصلیت بہت پہلے جان چکے ہیں۔

مگر افسوس کہ خون کے ان دھبوں کو مٹانے کے لئے اور اس جرم کو ہلکا کرنے کے لئے اور اس کی طرف سے لوگوں کی

کے بغیر اتحاد امت کا نعرہ لگانے لگتی ہیں، حالانکہ توحید خالص کے بغیر اتحاد امت کا نعرہ دین حق سے انحراف کے ساتھ ایک مجرمانہ کوشش بھی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اس امت میں نبی کے بعد افضل ترین لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مودودی صاحب نے ہدف تنقید بنایا ہے؟ دنیا کی ملعون و مطعون قوم روافض و شیعہ جسے اہل سنت کے سارے فرقوں نے مردود قرار دیا انہیں مولانا مودودی رحمہ اللہ کی قائم کردہ جماعت نے گلے لگایا۔ اپنی پارٹی سے قریب کیا انہیں اپنا مہمان خاص بنایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بڑا واضح ہے کہ: (من سب اصحابی فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين) (المعجم الكبير للطبرانی: ۱۲/۱۲، ح: ۱۲۷۰۹)

(والصحيحة: ۵/۴۶، ح: ۲۳۳۹)

”جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ، تمام فرشتوں، اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔“

طلبہ سے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں اصحاب بصیرت علماء کی طرف رجوع کریں۔ ہو سکے تو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم رحمہما اللہ کو زندگی میں ایک بار ضرور پڑھیں۔ دور حاضر میں فتنوں کو پہچاننے کے لئے اور باطل افکار و نظریات کو سمجھنے کے لئے محدث اثر علامہ شیخ البانی رحمہ اللہ۔ شیخ ابن باز۔ شیخ ابن عثیمین اور شیخ محترم دصالح الفوزان، شیخ ربیع المدخلی کی کتابیں بھی سامنے ضرور رکھیں۔ سید قطبؒ کی (العدالة الاجتماعية) کے مظالم کو سمجھنے کے لئے ڈاکٹر ربیع المدخلی کی (مطاعن سید قطب فی اصحاب الرسول) اور مودودی صاحب کی شیعہ نوازی کی حقیقت سمجھنے کے لئے حافظ صلاح الدین یوسف کی مذکورہ کتاب پڑھنا نہ بھولیں۔ پڑھئے۔ خوب پڑھئے۔ اہل علم کی نگارشات سے فائدہ اٹھائیے۔ مگر باطل افکار و نظریات سے باخبر رہئے۔ کیوں کہ جو باطل کی حقیقت سے آگاہ نہ ہوگا وہ اس کا شکار ہو جائے گا۔ اللہ ہمیں اور آپ کو دلوں کا تقویٰ عطا فرمائے۔

*

رکھیں، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ سے ان کی نامور تصنیف (خلافت و ملوکیت) میں توہین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جو لغزشیں ہوئی ہیں اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب (خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت) پڑھنا نہ بھولیں۔ اس لئے کہ یہ کتاب اس تحریک کی بنیادی کتاب ہے۔ جس کے ذریعہ یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ بعض حضرات نے اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کے لئے کس طرح رافضی اور شیعہ افکار کا سہارا لیا ہے، کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دشمنوں کو اپنا دوست بنانے کی راہ ہموار کی ہے،۔ ملوکیت کی تردید میں صحابہ کرام کی توہین کے ساتھ انبیاء کرام کی توہین کرنے میں جرات و جسارت نے کس طرح ان پر نوازشوں کی بارش کی ہے۔ مملکت التوحید حرسہا اللہ، سعودی عرب کی بادشاہت کی دشمنی میں ایران کی خونی جمہوریت کی تعریف و تائید میں ان کے قلم نے کیسے ان کی مدد کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک ہر وہ حکومت غیر اسلامی ہوا کرتی ہے جو ان کی نہیں ہوتی یا جس میں ان کی سانجھے داری نہیں ہوتی۔ احادیث کو عقل پر تو لے کر جرات و جسارت یا تصوف ہی کو اسلام کی صحیح تصویر کہنے کی کوشش کرنے والے اکابرین کی تحریروں کا دوسرا پہلو بھی سامنے ضرور رکھنا چاہئے۔ جس کے لئے حکیم اجمل خان کی کتاب (وحید الدین خان کی گمراہیاں)، اور شیخ صلاح الدین مقبول کی (الاستاذ ابو الحسن علی الندوی وجہ آخر فی کتابتہ) کو ضرور سامنے رکھیں۔

چونکہ ان دنوں زبان خنجر کی خموشی پر آستیں کا لہو پکار رہا ہے۔ اس لئے ایران کے دامن پر لگے خون کے دھبہ کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں سے ہماری یہی درخواست ہے کہ برائے کرم اللہ سے ڈریں اور اسلامی سیاست کے نام پر عوام کو مزید دھوکا نہ دیں۔ کسی شیطان کو مجدد کے القاب سے نواز کر اپنا اصلی تعارف نہ کرائیں۔ نوازش ہوگی۔ بعض تحریکوں کی بنیاد اس قدر کمزور ہے کہ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت میں ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے، وہ بے بنیاد نظر آتی ہیں، اسی لئے وہ کبھی کبھی توحید و سنت

خلوص و وفا اور خیر خواہی

انصار زبیر اعظمی

جب اپنے بھائی کو کسی غلط کام میں دیکھے تو اسے نصیحت کرے، اور مسلمان کو چاہئے کہ نصیحت قبول کرے، اگر فوں، غرور اور تکبر کا اظہار نہ کرے۔

نصیحت کی پانچ قسمیں:

- ۱۔ نصیحت جو اللہ کے لئے ہو۔ ۲۔ اللہ کی کتاب کے لئے
- ۳۔ اللہ کے رسول ﷺ کے لئے۔ ۴۔ مسلمان امراء کے لئے۔ ۵۔ عام مسلمانوں کے لئے۔

اس حدیث کو سوالیہ انداز میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔

سوال: دین کیا ہے؟

جواب: دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے، پورا دین دین جزاء اور دین عمل ہے۔ مالک یوم الدین میں دین جزاء ہے اور ورصیت لکم الاسلام دینا میں دین عمل کا ذکر ہے۔

صحیحین میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: بایعت النبی ﷺ علی اقام

الصلاة و ايتاء الزكاة والنصح لكل مسلم۔ (صحیح

البخاری: ۵۷، صحیح مسلم: ۹۷) میں نے اللہ کے نبی ﷺ

سے اس بات پر بیعت کی کہ نماز قائم کروں گا، زکاۃ دوں

گا اور ہر مسلمان سے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: حق المسلم علی المسلم ست

قیل ماہن یا رسول اللہ؟ قال: اذا لقيته فسلم عليه

واذا دعاك فاجبه واذا استنصحك فانصح له واذا

عطس فحمد الله فشمته واذا مرض فعده واذا مات فاتبعه۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۲) ایک مسلمان کا دوسرے

مسلمان پر چھ حق ہے، صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ وہ

عن ابی رقیۃ تمیم الداری رضی اللہ عنہ: ان النبی ﷺ قال: الدين النصيحة (ثلاثا) قلنا لمن يا رسول الله؟ قال: لله، ولكتابه، ولرسوله، ولائمة المسلمين وعامتهم۔ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان: باب بیان ان الدين النصيحة: رقم: ۵۵)

ابو رقیہ تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے، (ایسا آپ نے تین بار فرمایا) ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! کس کے لئے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمان ائمہ اور عام مسلمانوں کے لئے۔

راوی:

تمیم بن اوس الداری ابو رقیہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے نویں سال اسلام لائے، پھر آپ شام منتقل ہو گئے، اور آپ وہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغ روشن کیا، (۴۰) ہجری فلسطین میں آپ کی وفات ہوئی، آپ سے مروی حدیثوں کی تعداد اٹھارہ ہے۔

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، جو مختصر ہونے کیساتھ بہت وسیع و بلیغ معانی پر مشتمل ہے، اس حدیث کے تحت دین کے تمام احکام آجاتے ہیں، بلکہ شریعت کے جملہ اصول و فروع عقائد و اعمال صرف اس ایک کلمہ (ولکتابہ) کے اندر شامل ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ایک مومن کو جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث پر بھی مدار دین ہے۔ دین سے مراد ملت اور اور دین اسلام ہے، نصیحت سے مراد ہر وہ کلمہ اور گفتگو یا کام جو خیر کے ارادے سے کیا جائے۔ ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ

وریاضت، محبت و رافت کے تمام اصولوں پر عمل پیرا ہوا جائے، سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ خلوص نیت سے ہر کام کیا جائے، اپنے عقائد کو شرک کی غلاظت سے پاک کیا جائے، اللہ کی کتاب پر عمل کیا جائے، اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی جائے، آپ کے فرمودات پر عمل کیا جائے، اور عام مسلمانوں کی مصلحت کے لحاظ سے ان کی صحیح رہنمائی کی جائے۔

۱۔ اللہ کے لئے نصیحت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے، اللہ کی تعظیم کی جائے، اس کی معصیت سے بچا جائے، اس کی اطاعت کی جائے، اللہ ہی کے لئے محبت کی جائے، اللہ ہی کے لئے دشمنی کی جائے، اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے، وغیرہ۔

۲۔ اللہ کی کتاب کیلئے نصیحت:

کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب پر عمل کیا جائے، اس کی تلاوت کی جائے، اس کے اوامر و نہی کو اپنے اوپر نافذ کیا جائے، اس کی آیتوں پر غور و فکر اور تدبر سے کام لیا جائے، کتاب میں تحریف کرنے والے اور بدعت ایجاد کرنے والوں سے خبردار رہا جائے۔ کتاب میں تحریف کرنے والوں کے مکر سے بچا جائے، تحریف کا بطلان واضح کیا جائے، کتاب کی غلط اور من مانی تاویل و تفسیر کی خیانت سے لوگوں کو مطلع کیا جائے، کتاب پر وارد شبہات کا ازالہ کیا جائے۔

۳۔ رسول ﷺ کے لئے نصیحت:

رسول ﷺ پر ایمان لایا جائے، آپ کی سنتوں پر عمل کیا جائے، آپ کی اطاعت کی جائے، آپ ﷺ کی سنتوں کا احیاء کیا جائے، سنتوں کو پھیلا یا جائے، آپ کے دشمنوں سے دشمنی اور دوستوں سے دوستی رکھی جائے، آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور طور طریقہ کو اپنایا جائے، آپ کے آل و اولاد اور صحابہ کرام سے محبت رکھی جائے۔ آپ ﷺ کی سنتوں کا دفاع کیا جائے، من گھڑت اور ضعیف روایتوں کا تصفیہ کیا جائے۔

۴۔ مسلمان امراء کے لئے نصیحت:

امراء کے لئے نصیحت کے دو معنی ہیں۔ ۱۔ علماء کے لئے

کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب ملاقات کرے تو سلام کرے، جب دعوت دے تو قبول کرے، جب نصیحت طلب کرے تو اچھی نصیحت کرے، جب چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے، جب بیمار پڑے تو عیادت کرے، جب مرجائے تو جنازہ میں شریک ہو۔

ولاۃ امور کو نصیحت کرنا بھی کار ثواب ہے، مگر یہ نصیحت راہ چلتا ہوا ہر شخص نہیں کرے گا بلکہ اس کے لئے اصحاب علم و فن کا انتخاب کیا جائے گا۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان الله يرضى لكم ثلاثاً: يرضى لكم أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئاً، وأن تعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا، وأن تناصحوا من ولاه أمركم۔ (رواہ مسلم: ۲۱۶۲) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتیں پسند فرماتا ہے۔ ۱۔ تم اسی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ۲۔ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو تم پر امیر بنایا ہے، ان کے معاملے میں خیر خواہی سے کام لو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۹۱) کمزور اور مریض اور وہ لوگ جن کے پاس شرکت جہاد کے لئے خرچ کرنے کو کچھ نہیں، (پیچھے رہ جائیں) تو حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خیر خواہ ہوں، ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں اور اللہ درگزر کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی عذر کی بنا پر جہاد سے پیچھے رہ گیا تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے بشرط یہ کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کیلئے ناصح اور خیر خواہ ہو، اس لئے کہ منافقین جھوٹا عذر کر کے جہاد سے پیچھے رہ جایا کرتے تھے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے، اور سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انسان اسلام اور ایمان کے تمام ارکان پر عمل کرے، نصیحت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام واجبات و فرائض کو ادا کیا جائے، وعظ و نصیحت، عبادت

ان کی اطاعت سے خروج نہ کیا جائے، الا یہ کہ صریح کفر نظر آئے۔

۵۔ مسلمانوں کے لئے نصیحت:

ان کی صحیح رہنمائی کی جائے، ان کے دینی و دنیوی معاملات میں انہیں صحیح مشورہ دیا جائے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے، ان کی لغزشوں کو درگزر کیا جائے، ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے، ان کے ساتھ دھوکہ اور فریب دہی سے کام نہ لیا جائے، جو کچھ اپنے لئے پسند ہو وہی ان کے لئے بھی پسند کیا جائے، جو چیز اپنے لئے ناپسند ہو ان کے لئے بھی ناپسند کی جائے، انہیں صحیح تعلیم دی جائے اور نرمی و محبت سے ان کے ساتھ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیا جائے، ان کے تعلق سے اپنے دل میں کسی قسم کا بغض اور کینہ نہ رکھا جائے، دلوں کی صفائی سب سے بڑی نصیحت ہے۔

مسائل:

- ۱۔ اپنی بچیوں کے نام سے کنیت رکھنا درست ہے۔
- ۲۔ دین میں سب سے بہترین کام نصیحت ہے۔
- ۳۔ جب کوئی بات اچھی طرح نہ سمجھ میں آئے تو استاد سے پوچھ لینی چاہئے۔
- ۴۔ طالب علم کو استاد کا ادب کرنا چاہئے۔
- ۵۔ نصیحت کی مختلف قسمیں ہیں، ہر ایک سے نصیحت کا اسلوب جدا گانہ اور انداز مناسب ہونا چاہئے۔
- ۶۔ سب سے بلند نصیحت یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی دعوت دی جائے۔
- ۷۔ نصیحت اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں اور مسلم حکام و علماء ہر ایک کے لئے ہونی چاہئے۔
- ۸۔ ہر وقت ایک دوسرے کی بھلائی کی فکر کرنی چاہئے۔
- ۹۔ مخلوق کی ہدایت کی فکر کرنی چاہئے۔
- ۱۰۔ صحابہ کرام طلب علم میں بڑے حریص تھے۔

*

نصیحت، ۲۔ مسلمان امراء کے لئے نصیحت۔ حق کے معاملے میں ان کی مدد کی جائے، ان کی اطاعت کی جائے، ان کے لئے دعا کی جائے، دوسروں کو بھی ان کے ساتھ خیر اور بھلائی کے لئے کہا جائے۔

علماء کے لئے نصیحت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ علماء سے محبت کی جائے، حق کے معاملہ میں ان کی مدد کی جائے، ان کی عزت و توقیر کی جائے، ان پر ہونے والے حملے کا دفاع کیا جائے، ان کی طرف منسوب غلط باتوں کا ازالہ کیا جائے۔ بعض جاہل، علماء سے اختلاف یا اپنے موافق فتویٰ نہ پا کر علماء کی کردار کشی کرنے لگتے ہیں، جو ایک بھیانک غلطی ہے، لوگوں میں علماء کا وقار پیدا کیا جائے تاکہ ان کی بات اثر انداز ہو سکے۔

امراء کے لئے نصیحت:

یہ نصیحت چند امور پر مشتمل ہے۔ ۱۔ ان کی امامت کا عقیدہ رکھا جائے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کے گلے میں کسی امیر کی بیعت نہ ہو تو وہ مات مہیتہ جاہلیہ وہ جہالت کی موت مرا۔

رعایا میں اس کی خوبیاں واضح کی جائیں، ایسا کرنے سے انہیں احکام نافذ کرنے میں مدد ملے گی، بعض لوگ صرف امراء کی خامیاں اچھالتے ہیں، ان کے نقائص گناتے ہیں مگر ان کے حسنات کا نام نہیں لیتے، یہ ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

اگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق حکم دیں تو ان کا حکم نافذ کیا جائے، مسلمان امراء کا حکم ماننا سیاست نہیں بلکہ عبادت ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان حاکموں کی بھی جو تم میں سے ہوں۔

ان کے عیوب کو چھپایا جائے، ان سے بغض و حسد نہ رکھا جائے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کے جرائم پر خاموش رہا جائے، بلکہ انہیں ان کی خطاؤں پر آگاہ کیا جائے، مگر عمدہ اسلوب کے ساتھ۔ تاکہ عوام میں اشتعال نہ پیدا ہو۔

فکری انحراف سے حفاظت

عبدالہادی بن عبدالحق مدنی
(داعی: اسلامک وچو سینٹر، الاحساء، سعودی عرب)

ہمارا دین ہمیں صراط مستقیم پر قائم رہنے نیز ہر طرح کے انحراف سے دور رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الأنعام: ۱۵۳)

”اور یہ (دین) میرا سیدھا راستہ ہے، سو اس دین پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے اپنے ہاتھ سے ایک سیدھی لکیر کھینچی، پھر فرمایا: یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔ پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں چند لکیریں کھینچیں، اور فرمایا: یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا اس کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ (الأنعام: ۱۵۳) (مسند احمد: ۴۶۵/۱، مستدرک حاکم: ۲۳۹/۲، وصححه ووافقه الذہبی)

صراط مستقیم پر استقامت نجات و فلاح کی ضمانت ہے اور اس سے انحراف دنیا و آخرت میں خسارہ کا باعث ہے۔ انحراف خواہ فکری ہو یا عملی، غلو کی شکل میں ہو یا جفا و تقصیر کی شکل میں، ایمان و عقیدہ میں ہو یا عبادات و معاملات میں، کوئی بھی انحراف قابل قبول نہیں البتہ ایمان و عقیدہ کا انحراف یا یوں کہئے کہ ذہن و فکر کا انحراف سب سے خطرناک ہے۔ محبت اولیاء

و آل بیت کے نام پر شرکیہ خرافات کا انحراف، غلبہ دین کے نام پر تکفیر کا انحراف، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نام پر خوارج کا انحراف، جہاد کے نام پر اہل فساد کا انحراف، دعوت و تبلیغ کے نام پر قصہ گو و اعظین، جھوٹی حکایات اور خود ساختہ منامات بیان کرنے والے مبلغین کا انحراف، بہر کیف خواہش پرستی، نفس پرستی، مفاد و مصلحت پرستی نیز جہالت و کم علمی کی بنا پر قسم قسم کے انحرافات و بدعات نے دین کی صورت بگاڑ دی ہے۔ ان انحرافات سے بچنے کی صورت کیا ہے؟ زیر نظر مضمون میں نہایت اختصار کے ساتھ نظری و فکری انحراف سے حفاظت کے فقط تین اہم اور بنیادی وسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ بقیہ وسائل درحقیقت انھیں کے ضمن میں شامل اور داخل ہیں۔

پہلا وسیلہ: کتاب و سنت کو فہم سلف کے مطابق مضبوطی سے تھامنا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدهما: کتاب اللہ و سنتی“ (مستدرک حاکم: ۹۳/۱، صحیح الجامع: ۲۹۳/۴)

”میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ان کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری سنت۔“

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: ”من یعش منکم بعدی فیسری اختلافاً کثیراً، فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء المہدیین الراشدین، تمسکوا بہا، و عضوا علیہا بالنواجذ، و إیاکم و محدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة، و کل بدعة

جگہ ہے۔“

تمام مومنوں کی راہ وہی ہونی چاہئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے راہ تھی، سلف کی راہ انھیں کی راہ تھی، قولی و عملی و اعتقادی بہر طور ان کی روش پر قائم رہنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

”اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔“

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف صحابہ کے بارے میں اپنی رضا کا اعلان فرمایا بلکہ ان لوگوں کو بھی اس رضا میں شامل رکھا جو اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کریں۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین سیکھا تھا، نزول وحی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا، وہ احکام و مسائل کے مقاصد اور حکمتوں، ان کے اسباب تشریع، آیات کے اسباب نزول، احادیث کے اسباب ورود، ان کے اسرار اور باریکیوں کو خوب اچھی طرح جانتے تھے، بعد میں آنے والوں کو اس طرح کی خصوصیات حاصل نہیں ہیں۔ لہذا صحابہ اور سلف کی پیروی میں ہی امت کے لئے خیر و بھلائی ہے۔

دوسرا وسیلہ: علمائے کرام سے تعلق و وابستگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۶۳)

”پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔“
نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”أَلَا سَأَلُوا إِذَا لَمْ يَعْلَمُوا، فَإِنَّمَا شَفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ“۔ (أبو داؤد: ۱۳۲/۱)
حدیث: ۳۳۶، صحیح الجامع: ۳۳۶۳

ضلالة۔“ (رواہ أبو داؤد: ۴۶۰۷، والترمذی: ۲۶۷۶، وابن ماجہ: ۴۲، وأحمد: ۱۲۶/۳ رقم: ۱۷۱۸۳، وقال الترمذی: هذا حديث صحيح - وقال الألبانی: فہی (صحیح سنن ابن ماجہ): صحیح)

”جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، سو تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لینا اور اسے اپنے دائروں سے مضبوط جکڑ لینا اور اپنے آپ کو نئی ایجاد شدہ باتوں سے بچانا، کیونکہ ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔“

جو لوگ کتاب و سنت کی راہ سے ہٹ جائیں گے وہ لامحالہ بدعت و ضلالت میں گر پڑیں گے۔

مسلم سنت پہ اے سالک چلا جا بیدھڑک
جنت الفردوس کو سیدھی گئی ہے یہ سڑک

یہ بات یاد رہے کہ کتاب و سنت کی شرح و تفسیر سلف صالحین کے منہج کے مطابق ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر انحراف سے بچنا ناممکن ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾ (البقرة: ۱۳۷)
”اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں۔“

صحابہ جو سلف میں سب سے پہلے نمبر پر ہیں ان کی طرح ایمان لانے کو ہدایت کی علامت قرار دیا اور ان کی راہ سے منہ موڑنے کو اختلاف و بدبختی سے تعبیر کیا۔

نیز ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۵۵)

”جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری

”جب انھیں نہیں معلوم تھا تو پوچھا کیوں نہیں، جہالت کا علاج سوال کرنے میں ہے۔“

منحرف لوگوں کو علماء کی بات سننے اور ان سے گفتگو کرنے سے کس طرح حق و صواب کی ہدایت ملتی ہے؟ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ کی روشنی میں اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں:

جب خوارج لشکر علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے علیحدہ ہوئے تو وہ لوگ ایک جگہ اکٹھا ہو گئے۔

ان کی تعداد لگ بھگ چھ ہزار تھی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور اس امر پر متفق ہو گئے کہ انہیں سیدنا علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے خلاف جنگ کے لیے نکلنا چاہیے۔ لوگ سیدنا علی کے پاس تسلسل سے آتے اور خبریں دیتے کہ خوارج اُن کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: انہیں چھوڑ دو جب تک وہ میرے خلاف جنگ نہیں کریں گے تب تک میں انہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر وہ ضرور نکلیں گے اور جنگ کریں گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن صلاۃ ظہر کے وقت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین آج صلاۃ ظہر ذرا ٹھنڈی کر کے (تاخیر سے) ادا کیجیے۔ آج میں خوارج کے پاس جا کر انہیں سمجھانے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔

وہ فرمانے لگے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔

میں نے کہا کہ ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔

ابن عباس فرماتے ہیں: امیر المؤمنین نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے ایک بہترین یمنی جوڑا زیب تن کیا اور خوب عمدہ اور قیمتی لباس پہن کر دوپہر کے وقت اُن کے پاس جا پہنچا۔

میں ایسے لوگوں کے پاس گیا کہ میں نے اُن سے بڑھ کر عبادت گزار نہیں دیکھے۔ اُن کی پیشانیاں سجدوں کے نشانات سے مزین تھیں کثرت عبادت سے اُن کے ہاتھ اونٹ کے اُس حصے کی طرح ہو گئے جو زمین پر لگنے کی وجہ سے سخت ہو جاتا

ہے۔ انہوں نے صاف ستھری قمیصیں پہن رکھیں تھیں۔ اُن کے چہرے اُن کی شب بیداری کے شاہد تھے۔ میں نے انہیں سلام کہا۔

کہنے لگے: مرحبا بن عباس، کیسے آنا ہوا؟

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میں تمہارے پاس انصار و مہاجرین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔ سنو! اُن کی موجودگی میں قرآن مجید نازل ہوا اور وہ اس کی تفسیر و تاویل کا تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

اُن میں سے ایک گروہ کہنے لگا: قریش سے جھگڑا نہ کرو اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے: ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ (سورۃ الزخرف: ۵۸)

”بلکہ وہ تو ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔“

اُن میں سے دو یا تین آدمی کہنے لگے: ہم ان سے بات کر لیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد پر اور مہاجرین و انصار پر جو اعتراضات ہیں لاؤ پیش کرو۔ ان لوگوں کے سامنے قرآن نازل ہوا، تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اُن سے بڑھ کر قرآن کا عالم ہو۔ خوارج نے کہا کہ ہمیں تین اعتراضات ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ بیان کرو۔

خوارج نے کہا کہ ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں انسانوں کو منصف بنایا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان کتاب اللہ میں موجود ہے کہ: ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾

”حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے“۔ (سورۃ الانعام: ۵۷) اب اللہ کے اس فرمان کے بعد انسانوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو حکم بنائیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ یہ تو ایک بات ہوئی، دوسری کیا ہے؟

خوارج نے کہا کہ انہوں نے ایک گروہ سے لڑائی کی، ان کے لوگوں کو قتل کیا لیکن کسی کو قیدی نہیں بنایا، نہ مال غنیمت جمع کیا۔ اگر وہ کافر تھے تو ان کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ قیدی بنانا

میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آدمیوں کی تحکیم ایک خرگوش کے قتل اور عورت کے معاملہ میں افضل ہے یا مسلمانوں کے باہمی معاملات کی درستی اور خونریزی روکنے کے لیے افضل ہے؟

خوارج نے کہا: بلکہ یہی افضل ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: اچھا، اب آپ لوگوں کا یہ اعتراض ختم ہو گیا؟

خوارج نے اثبات میں جواب دیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر کہنا شروع کیا، جہاں تک تمہارا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے لڑائی کی اور مخالفین کو قید نہیں کیا اور نہ ہی مال غنیمت پر قبضہ کیا تو مجھے یہ بتاؤ، کیا تم اپنی ماں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قیدی بنانے کے لیے تیار ہو جاتے؟ اللہ کی قسم! اگر تم نے یہ کہا کہ وہ ہماری ماں نہیں تو تم اسلام ہی سے نکل جاؤ گے۔ اور اگر تم نے یہ کہا کہ ہاں ہم انہیں گرفتار کرنے اور ان کے ساتھ لونڈیوں جیسا سلوک کرنے کے روادار ہیں تو تب بھی تم اسلام سے خارج ہو جاؤ گے۔ تم دونوں صورتوں میں گمراہی کا شکار ہو جاؤ گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾

”پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں“۔ (سورہ الاحزاب: ۶)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دریافت کیا: کیا تم نے یہ بات تسلیم کر لی؟

خوارج نے جواب دیا: جی ہاں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے بعد کہا: جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ مٹا دیا تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین کے نمائندوں ابوسفیان بن حرب اور سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ صلح نامہ تحریر کروایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ صلح کی شرائط تحریر کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا (اس

اور مال غنیمت لوٹنا بھی درست تھا اور اگر وہ مومن تھے تو ان سے جنگ کرنا ہی جائز نہیں تھا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اپنا تیسرا اعتراض بیان کرو۔

خوارج نے کہا کہ انہوں نے صلح کا معاہدہ لکھتے وقت اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ مٹا دیا، اگر وہ امیر المومنین نہیں ہیں تو کیا پھر وہ امیر الکافرین ہیں؟

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا کہ کوئی اور اعتراض باقی ہے؟

خوارج نے جواب دیا کہ بس اتنی باتیں کافی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ جہاں تک تمہارا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے اللہ کی شریعت کے معاملے میں انسانوں کو حکم بنایا ہے تو میں اللہ کی کتاب سے کچھ آیات تلاوت کرتا ہوں جو تمہاری بات کی تردید کریں گی۔ اگر ایسا ہو تو کیا تم اپنے موقف سے دستبردار ہو جاؤ گے؟

خوارج نے کہا: ضرور، یقیناً۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک خرگوش کے معاملے میں جس کی قیمت ایک چوتھائی درہم سے زیادہ نہیں ہوتی، اپنے حکم سے فیصلہ تحویل کر کے انسانوں کے سپرد کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمَّذًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾

”اے ایمان والو! (وحشی) شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو۔ اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں“۔ (سورہ المائدہ: ۹۵)

مرد و عورت کے معاملے میں فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا﴾

”اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو“۔ (سورہ النساء: ۳۵)

صراط مستقیم اہل غلو اور اہل تقصیر کے درمیان کا راستہ ہے۔
اس راستہ کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ سے مانگا کرتے
تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

عن أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَأَلْتُ
عَائِشَةَ أُمَ الْمُؤْمِنِينَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ؟ قَالَتْ كَانَ إِذَا قَامَ
مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ
وَإِسْرَافِيلَ فَاطْرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ
تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (صحیح
مسلم: ۵۳۴/۱ حدیث: ۷۷۰)

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوسلمہ بیان
کرتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے
پوچھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رات کی صلاۃ کس چیز
سے شروع کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: جب آپ رات کو
اٹھتے تو اس دعا سے اپنی صلاہ شروع کرتے۔ اے جبرائیل
ومیکائیل اور اسرافیل کے رب، آسمان وزمین کے پیدا کرنے
والے، غائب وحاضر کے جاننے والے! اپنے بندوں کے
اختلافی معاملات میں تو فیصلے کرتا ہے۔ تو اختلافی معاملہ میں
اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہنمائی کر۔ یقیناً تو جسے چاہتا
ہے اسے صراط مستقیم کی رہنمائی فرماتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صراط مستقیم کی ہدایت طلبی کے
ساتھ ساتھ دین پر ثابت قدمی کے لئے بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے
دعا مانگا کرتے تھے، چنانچہ آپ کہا کرتے تھے: ”يَا مُقَلِّبَ
الْقُلُوبِ ثَبِّثْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ“۔ (رواہ الترمذی:
۱۶۱۴، حدیث: ۲۱۴۰)

”اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین
پر جمادے۔

والحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی نبینا و سلم۔

**

*

تحریر کی رو سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش
مکہ سے صلح کی ہے۔ (مشرکین نے اس پر کہا: اللہ کی قسم ہم
نہیں جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر ہم جانتے کہ
آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے کبھی لڑائی نہ کرتے۔ اس
پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اے اللہ تو جانتا
ہے کہ میں رسول اللہ ہوں) (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اے علی!
اسے مٹا دیں اور لکھیں کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس کے مطابق محمد بن
عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صلح کی ہے۔ اللہ کی قسم!
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
کہیں زیادہ افضل اور برتر ہیں اور اگر انہوں نے صلح کی خاطر
اپنے نام سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا تو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے لیے ایسا کرنا کیوں کر ناجائز ہو سکتا ہے؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دلائل سے
مطمئن ہو کر دو ہزار خارجی تائب ہو گئے اور باقی سب لڑائی
کے لیے نکلے مگر سب کے سب قتل کر دیے گئے۔

اس بحث و مناظرے کے نتیجے میں بعض خوارج نے خلیفہ
مسلمین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت کو دوبارہ قبول کر
لیا۔ جبکہ بہت سے لوگ اپنی گمراہی پر قائم رہے۔ (یہ مناظرہ
المصنف لعبدالرزاق: ۱۵۷/۱۰، والمستدرک للحاکم: ۱۵۰/۲
میں موجود ہے اور اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے بخاری و مسلم
رحمہما اللہ کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے)

تیسرا وسیلہ: رب کریم سے دعا والتجا

دعا ایک مومن کا وہ ہتھیار ہے جس سے لایخل مسائل حل
ہوتے ہیں، دعا سے عبودیت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ
مشکلات کا مداوا ہوتا ہے، غیبی مدد آتی ہے، لہذا ہمیں ہمیشہ اللہ
تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے۔

ہر طرح کے انحراف سے بچنے کے لئے یہ دعا انتہائی قیمتی
ہے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
الضَّالِّينَ﴾ (الفاتحہ: ۷، ۶)

”ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر
تو نے انعام کیا ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں
کی۔“

بنو امیہ پر الزامات کا جائزہ

محمد جعفر انوار الحق الہندی

رہے، اور اس کی گورنری رولایت بھی بااستمرار قائم رہے، اس کی ہیبت چھائی رہے، اور امن و امان کا دور دورہ رہے۔

جب کوئی یہ طریقہ اپناتا تھا جو کہ اس کے لئے لازمی تھا تو اسکے خلاف افواہیں پھیلاتے اس کے ظلم کا چرچا کرتے اس کی شدید گرفت کی شکایت کرتے اور طرح طرح سے اسے بدنام کرنے کے حربے استعمال کرتے، اور یہ بات بھول جاتے کہ اس اقلیم میں رعایا کو کتنے ظلم کا سامنا کرنا پڑا ہے اور ان فتنہ پردازوں کے سبب انہیں کتنے ستم جھیلنے پڑے ہیں۔

اور جب زیادہ بن ابیہ عراق کے گورنر ہوئے تو وہ ان کے ساتھ سختی سے نمٹے، نتیجتاً امن و امان بحال ہو گیا۔ جب انہوں نے عراق کی گورنری کی زمام کار سنبھالی تو انہوں نے اپنے پہلے خطبہ میں پورے عراق کو عام طور سے اور اہل بصرہ کو خاص طور سے مخاطب کیا اور وہ مشہور خطبہ دیا جو بتداء کے نام سے معروف ہے اس کے بعض فقرہ میں ہے کہ:

”میں نے دیکھا کہ اس امر (نظام حکومت) کا آخر اسی سے ٹھیک ہو سکتا ہے جس سے اس کا اول ٹھیک ہوا تھا، نرمی بغیر کمزوری کے، اور شدت بغیر زور و بردستی اور جبر و تشدد کے، اللہ کی قسم! میں ولی کے بدلے میں ولی کو، مسافر کے بدلے میں مقیم کو اور پیٹھ پھیرنے والے کے بدلے میں آگے بڑھنے والے کو اور بیمار کے بدلے میں تندرست کو پکڑوں گا، حتیٰ کہ تم میں ایک آدمی اپنے بھائی سے ملے گا تو کہے گا: سعد تم نجات پاؤ ورنہ سعید تو ہلاک ہو گیا، یا پھر تمہاری لاٹھی سیدھی ہو جائے، یعنی تم تابعداری اور فرمانبرداری کی ڈگر پر قائم ہو جاؤ، منبر پر بولا گیا جھوٹ بہت مشہور ہو جاتا ہے اگر تم میرے بارے میں کسی جھوٹ کا پتہ پاؤ تو تمہارے لئے میری نافرمانی حلال ہے، اور جب تم مجھ سے جھوٹی بات سنو تو اسے میرا

(۸) علی رضی اللہ عنہ کے انصار و معاونین کو ان کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ بھی بنو امیہ کے خلاف افواہوں کی قبولیت میں معاون ہوا ان میں سے بہت سے لوگوں کو مختلف صورتوں میں قتل کیا گیا، شاید ان میں سب سے نمایاں نام حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کا ہے، انہیں دمشق کے شمال مشرق میں ۲۵ کلومیٹر کی دوری پر مقام مرج عذراء میں قتل کیا گیا، ان کے قتل کے سلسلے میں روایتیں بہت مختلف ہیں اور اس سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم قرار دیا گیا ہے۔

(۹) بنی امیہ کے بعض گورنروں کی شدت اور سختی بھی ان شائعات کے مقبول ہونے میں معاون ثابت ہوئی، مثلاً زیادہ بن ابیہ، جس نے کوفہ و بصرہ اور ان کے ارد گرد کے علاقوں کو اپنے تابع کر کے انہیں طاعت و فرمانبرداری پر مجبور کیا تھا، اسی طرح ان کا لڑکا عبید اللہ بن زیادہ اپنے باپ ہی کی پالیسی اور طریقے پر چلا، اسی طرح حجاج بن یوسف ثقفی جس نے خلافت بنی امیہ کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے سختی برتا، بے گناہوں کا خون بہانے اور ظلم میں اس کی مثال دی جاتی ہے۔

ان ضرب المثل والیوں پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب کا تعلق یکے بعد دیگرے ایک ہی جگہ یعنی ”عراق“ سے ہے کیوں کہ وہاں اختلافات، لاقانونیت، اضطراب اور بد نظمی عام تھی، جب ان کے پاس کوئی رحمدل گورنر آتا تو اسے ضعیف سمجھ کر بڑی نازیبا حرکتیں کرتے اور جب کوئی قوی گورنر آتا تو اس کی ہیبت ان پر چھا جاتی، اس سے خوف کھاتے اور اس کے ساتھ سمع و طاعت کا معاملہ کرتے، حالات پر امن ہو جاتے، ماحول سازگار ہو جاتا، اور فضا پر سکون ہو جاتی، لہذا ان کے گورنر کے لئے ضروری تھا کہ وہ سختی کے ساتھ معاملہ کرے اور قوت و شوکت اور حزم و دانشمندی کے ساتھ ان کو کنٹرول کرے تاکہ صورت حال پر سکون اور سازگار

حق یہ ہے کہ تمہارے جس امر کے ہم ذمہ دار ہیں اس میں عدل کریں اپنی نصیحت و خیر خواہی کے ذریعہ، تم ہمارے مال اور ہمارے عدل کو لازم کرلو۔

جان لو! میں جتنی بھی تقصیر اور کوتاہی کر جاؤں مگر تین چیزوں میں کوتاہی نہیں کر سکتا:

ا۔ کسی ضرورت مند اور طالب حاجت سے حجاب نہیں کر سکتا، اس کو روک نہیں سکتا اگرچہ کہ وہ رات میں آئے۔

ب۔ میں تمہارا رزق اور داد و دہش اس کے وقت سے مؤخر نہیں کر سکتا۔

ج۔ میں لشکر کو دشمنوں کے ملک میں روک نہیں سکتا کہ انہیں واپس آنے پر پابندی لگا دوں۔

تم اپنے ائمہ یعنی گورنروں کے لئے درستی کی دعا کرو کیوں کہ وہ تمہارے معلم اور قائد ہیں، جو تمہیں ادب سکھاتے ہیں، اور تمہاری جائے پناہ ہیں جہاں تم پناہ لے سکتے ہو، اور جب تک تم ٹھیک رہو گے وہ بھی ٹھیک رہیں گے، اپنے دلوں کو ان کے بغض اور نفرت کی آماجگاہ نہ بناؤ کہ تمہارا غیظ و غضب بھڑک اٹھے، حزن و ملال میں مسلسل پڑے رہو، اپنی حاجت برآری نہ کر سکو اور اگر تمہاری بات مان لی جائے تو یہ تمہارے لئے زیادہ باعث شر ہو۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہر ایک کی ہر ایک کے خلاف مدد کرے، جب تم دیکھو کہ میں تمہارے درمیان کوئی امر نافذ کرنا چاہتا ہوں تو اس کو نافذ کرو، اگرچہ کہ وہ تمہاری اہانت پر مبنی ہو، اللہ کی قسم! تمہارے درمیان میرے بہت سے مقتولین ہیں اس لئے ہر آدمی کو ڈرنا چاہیے کہ وہ میرا مقتول بنے۔“ (تاریخ الطبری: ۲۱۹/۵-۲۲۱ طبعۃ دار المعارف۔ القاہرہ)

زیادہ پہلا شخص ہے جس نے سلطنت کے معاملہ کو مستحکم کیا اور حکومت کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے پائیدار بنایا، لوگوں کو طاعت پر مجبور کیا۔ اور سزا میں بہت آگے بڑھ گیا، تلوار کو ننگی کر کے میان سے باہر رکھا، شک کی بنیاد پر گرفتار کیا اور شبہ کی بنیاد پر سزا دی، اس کی سلطنت میں لوگ خوف زدہ تھے، لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مامون تھے اور حالت یہ ہو گئی تھی اگر کسی مرد یا کسی عورت کی کوئی چیز گر جاتی تو کوئی اس کو ہاتھ نہ لگاتا یہاں تک کہ وہ خود آتا اور اسے لے لیتا، اور عورت گھر میں بغیر دروازہ بند کئے سوتی تھی، لوگوں کے ساتھ ایسی سیاست اور حکومت کی جس کی کوئی

عیب شمار کرو اور جان لو کہ میرے پاس اس جیسے اور بھی جھوٹ ہیں، تم میں سے جس پر شبخوں مارا جائے یا رات میں حملہ کیا جائے تو میں اس کے نقصان کا ضامن ہوں، رات کی تاریکی میں چلنے سے بچو، میرے پاس جو بھی رات میں چلنے والا لایا جائے گا میں اس کا خون بہا دوں گا، میں نے تم کو اتنی مہلت دی ہے کہ خبر کوفہ تک پہنچ جائے اور پھر قاصد میرے پاس واپس آجائے، خبردار! جاہلیت کے دعویٰ اور اس کی پکار سے بچو، میں جس کو بھی جاہلیت کی پکار پکارتے ہوئے پاؤں گا اس کی زبان کاٹ دوں گا، تم لوگوں نے نئے نئے جرائم ایجاد کئے ہیں جو پہلے نہ تھے ہم نے ہر جرم کی سزا متعین کی ہے، جو کسی کو پانی میں ڈبوئے گا میں اس کو بھی ڈبو دوں گا، اور جو کسی کو جلانے گا میں اس کو بھی جلا دوں گا، جو کسی گھر میں نقب زنی کرے گا تو میں اس کے دل میں سوراخ کر دوں گا، جو قبر کو اکھاڑے گا اس کو اسی میں زندہ دفن کر دوں گا، تم اپنے ہاتھوں اور زبان کو قابو میں رکھو، میں بھی اپنے ہاتھ اور اپنی اذیت کو روکے رکھوں گا، اور تم میں سے جو بھی عام لوگوں کے برخلاف رویہ اپنائے گا اس کا سرتن سے جدا کر دوں گا، میرے اور کچھ لوگوں کے درمیان نفرت اور دشمنی تھی میں نے اسے کان کے پیچھے اور قدم کے نیچے کر دیا ہے، یعنی مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، تم میں سے جو اچھا کرنے والا ہے وہ اپنی اچھائی میں اضافہ کر لے، اور جو برا کرنے والا ہے وہ باز آجائے، اگر مجھ کو معلوم ہو جائے کہ تم میں سے کوئی میرا بغض اور نفرت دل میں لئے مر رہا ہے تب بھی میں اس کو فاش نہ کروں گا اور اس کے پردے کو نہیں ہٹاؤں گا یہاں تک کہ وہ اپنا پہلو (عیب) میرے لئے ظاہر کر دے اور جب وہ ایسا کرے گا تو میں اس سے مناظرہ نہیں کروں گا۔

تم اپنے معاملات کو نئے سرے سے شروع کرو اور اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرو، ہماری آمد سے حزن و غم میں مبتلا بہت سے خوش ہو جائیں گے اور بہت سے مسرور حزن و ملال کے دلدل میں چلے جائیں گے۔

اے لوگو! ہم تمہارے رہنما اور سردار ہو گئے ہیں، تمہارا دفاع کرنے والے بھی ہم ہیں، ہم اللہ کی سلطنت سے جو اس نے ہم کو دیا ہے تمہاری قیادت کریں گے اور اللہ کے عطا کردہ مال غنیمت کے ذریعہ تمہارا دفاع کریں گے، تم پر ہمارا حق ہے کہ جن باتوں میں ہم چاہیں تم ہماری سمع و طاعت بجالاؤ، اور تمہارا ہمارے اوپر

ہے، میرے قدیم مشیکزے کو بھی کاٹا نہیں جاسکتا ہے، میری ذہانت کو آزمایا جا چکا ہے، اور میں آخری حد تک جا چکا ہوں۔

امیر المؤمنین عبدالملک نے اپنے ترکش میں موجود تیروں کو پرکھا اور جانچا تو مجھے سب سے سخت اور قوی پایا اس لئے مجھے تمہاری طرف بھیج دیا، کیوں کہ تم لوگوں نے بارہا فتنوں میں تیزی دکھائی اور گمراہی کے نئے نئے طریقے نکالے۔

اللہ کی قسم! میں لکڑی چھیلنے کی طرح تمہیں چھیل دوں گا، اور درخت کاٹنے کی طرح تمہیں کاٹ دوں گا، اور تمہیں اس طرح پیٹوں گا جس طرح اجنبی اونٹوں کو مارا جاتا ہے،

اللہ کی قسم! میں جو بھی وعدہ کروں گا اسے پورا کروں گا، میں پہلے ناپوں گا پھر کاٹوں گا، یعنی پہلے سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں گا پھر اس پر عمل کروں گا، مجھے ان جماعتوں اور ان کے قیل وقال سے دور رکھو اور تمہیں بھی اس سے کیا سروکار ہے؟ اللہ کی قسم! تم راہ حق پر سیدھے قائم ہو جاؤ، ورنہ میں تم میں سے ہر ایک کو اس حال میں پہنچا دوں گا کہ وہ اپنے ہی بدن میں مشغول ہوگا، مہلب کے لشکر کی روانگی کے تیسرے دن کے بعد اگر میں نے کسی کو یہاں موجود پایا تو اس کا خون بہا دوں گا اور اس کا مال لوٹ لوں گا۔“

شدت پسندی کی سیاست جو حجاج نے اپنائی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ عراق کے حالات بنو امیہ کے لئے سازگار ہو گئے تھے اور بالخصوص اس صورت میں کہ زیاد بن ابیہ کی گورنری کے بعد بنو امیہ کی گرفت کچھ کمزور ہو گئی تھی اگر یہ سختی نہ برتی جاتی تو اس شہر کے حالات اس طرح ٹھیک نہ ہوتے، بلکہ مزید لاقانونیت پھیل جاتی، اگر خود مسلمانوں کے صوبوں اور ان کے شہروں میں حالات پُر امن نہ ہوتے تو مسلمان فتوحات اور جہاد کی طرف متوجہ نہ ہو پاتے، اگر ان گورنروں اور والیوں کی کوششوں سے امن وامان کی صورت حال بہتر نہ ہوتی تو عہد بنو امیہ میں اسلام کو فروغ نہ ملتا، حجاج کے زمانے میں اسلامی فتوحات اوج ثریا پر پہنچی ہوئی تھیں، اسی نے محمد بن قاسم الشقفی کو سندھ کی طرف، قتیبہ بن مسلم باہلی کو بلاد ماوراء النہر کی طرف روانہ کیا تھا، اس کے زمانے میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے کے علاوہ ہر زمانے سے زیادہ اسلام پھیلا۔ یہ بات صحیح ہے کہ حجاج نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کیا، جن کا شمار اہل علم اور کبار تابعین میں ہے، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، ابن الاشعث کی باغیانہ تحریک میں شریک ہوئے تھے جو اتنی

مثال اس سے پہلے نہ دیکھی گئی اور لوگوں پر ایسی ہیبت بیٹھی کہ اس سے قبل کسی کی بھی اتنی ہیبت نہ تھی، نوازش اور داد و دہش خوب کی اور ”مدینۃ الرزق“ تعمیر کیا۔ (تاریخ الطبری ۲۲۲/۵)

حجاج بن یوسف جب کوفہ کے گورنر بن کر آئے تو انھوں نے جامع کوفہ کے منبر سے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”میں بہت مشہور، دور اندیش اور بہادر ہوں،

جب میں عمامہ اتاروں گا تب تم مجھے پہچان لو گے،

اللہ کی قسم! میں شر کو اس کی جگہ ہی رکھتا ہوں، اس کے بقدر ہی اس کی مذمت کرتا ہوں اور اس کے برابر ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں، میں بہت سے پکے ہوئے سروں کا مشاہدہ کر رہا ہوں جن کے کٹنے کا وقت آچکا ہے، اور مجھے پکڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان خون نظر آ رہا ہے۔

حالات نے کمر کس لی ہے، تم بھی اس کیلئے تیار ہو جاؤ۔

اس حال میں کہ کمان میں مضبوط تانت لگا ہو، نوجوان اور توانا اونٹ کے دست و بازو کی طرح یا اس سے سخت۔

اور جس چیز سے کوئی چارہ نہ ہو وہ ضروری ہے۔

یہ دوڑنے کا وقت ہے اے زیم (گھوڑا) تو بھی دوڑ

رات نے لمبی پنڈلی والے اور ظالم چرواہے کے ساتھ اس کو لپیٹ دیا ہے۔

جو اونٹوں اور بکریوں کا چرواہا نہیں ہے

اور نہ ہی لکڑی پر گوشت کاٹنے والا قصاب ہے

رات نے ایسے شخص کے ساتھ اس کو لپیٹ دیا ہے جو اپنے کام میں ماہر اور توانا ہے، حاضر جواب اور ہوشیار ہے، صحرا سے نکل جانے والا ہے یعنی اپنی دانائی سے مصائب پر قابو پالیتا ہے۔

جو مہاجر ہے دیہاتی نہیں۔

یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ اس میں گھلنا ملنا اور ایسے اونٹ جن کی گردن میں پٹہ نہ ہونا پسندیدہ ہوں،

جو اس طرح گزرتے ہیں جیسے کہ آخری رات کی تاریکی سے پہلے والا حصہ گزرتا ہے۔

اللہ کی قسم! اے اہل عراق! مجھے اس طرح پکڑ کر نہیں دیکھا جاسکتا جس طرح کہ انجیر کو پکڑ کر اس کے کچا یا پکا ہونے کو دیکھا جاتا

طاقتور تھی کہ قریب تھا کہ حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور فتنوں کی تیز و تند آندھیوں کا شکار بنا دے،

(۱۰) معرکہ حرہ جو یزید بن معاویہ کی خلافت میں ۶۳ ہجری کے اواخر میں پیش آیا اس نے بھی بنو امیہ کے خلاف ان روایتوں کی مقبولیت میں مدد کی، یزید کا لشکر مسلم بن عقبہ المری کی قیادت میں تھا، جس نے تین دن تک مدینہ کو حلال کر دیا، اور بہت سارے باشندوں کو قتل کر دیا تھا، پھر عبداللہ بن زبیر کے محاصرہ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف نکلا لیکن وہ راستے میں ہی مر گیا، اور اس کے بعد شامی لشکر کی کمان حصین بن نمیر نے سنبھالی، اس نے مکہ کا محاصرہ کر لیا مگر اسی درمیان یزید کی موت کی خبر آگئی تب اس نے محاصرہ اٹھالیا۔

جب شام میں دوبارہ بنو امیہ کی حکومت مضبوط ہو گئی تو حجاج بن یوسف ثقفی نے آکر مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا، اور کعبہ پر منجیق چلایا اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور کعبہ میں داخل ہوا۔

اس حادثے کو مسلمان بڑا سمجھتے ہیں اور اسے بہت اہمیت دیتے ہیں اس لئے کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بڑی فضیلت و مرتبہ کے حامل ہیں اور حرم کو حرمت و احترام اور کعبہ کو تقدس حاصل ہے۔

ان سب کے باوجود مسلمانوں کو برا بیچتے کرنے میں اس کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو حادثہ کربلا کو حاصل ہے، کیوں کہ دونوں واقعات کو ایسے اسلوب میں مرتب اور مدون کیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس زمانے کی تاریخ کے واقعات یا اس اسلامی عہد کو کن ہاتھوں نے ترتیب دیا ہے۔

بنو امیہ کے دشمنوں نے ان کے زمانے کے واقعات کا استغلال کیا اور اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا، اور ان کے عہد سے پہلے جو واقعات پیش آئے ان سے بھی مطلب براری کی اور عمومی طور سے تاریخ کی شکل بگاڑ کر رکھ دی۔

ان لوگوں نے یعنی اعداء بنو امیہ نے ان پر زبردست حملہ کیا حتیٰ کہ انہیں اسلام سے نکال دیا، خلفاء، گورنر اور ان کے اعموان و انصار ان کی یلغار کا نشانہ تھے، صحابہ بھی ان کے حملے سے محفوظ نہ رہ سکے، بلکہ وہ لوگ بھی محفوظ نہ رہ سکے جو علی رضی اللہ عنہ کے معاون اور انصار تھے اگر ان کے کسی موقف یا نقطہ نظر میں کمزوری ظاہر ہوئی مثلاً ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

ان لوگوں نے خلفائے راشدین کے بارے میں یہ نظریہ اپنایا کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کی اور خلافت کو

ان سے ٹال دیا اور ان کی رائے کے بغیر اس میں تصرف کیا، اسی لئے افترا پردازوں کے بہت سے کذب کا وہ بھی شکار ہوئے اور ان کے بارے میں ایسی باتیں کہی گئیں جو ان کے بڑے سے بڑے دشمن بھی نہ کہہ سکے۔

اس کے برخلاف جو لوگ بد نظمی اور فساد پھیلانے کا سبب تھے، ہنگاموں اور فتنوں کے رہنما تھے، مثلاً: اشتر نخعی وہ ان کی مدح و ستائش سے بہرہ ور ہے، کیوں کہ وہ علی رضی اللہ کا معاون اور آپ کے ساتھ لڑائی میں شریک تھا۔

ان لوگوں نے اسلام لانے سے قبل بنو امیہ کے حالات کو اجالے میں لانے کی کوشش کی اور انہیں نشانہ بنایا، ان کی زبان درازی سے وہ اموی صحابہ بھی محفوظ نہ رہے جو ابتداء دعوت ہی میں اسلام لے آئے تھے، مثلاً: عثمان بن عفان، سعید بن العاص، خالد بن سعید بن العاص، عمرو بن سعید بن العاص وغیرہ۔

انہوں نے ابوسفیان صخر بن حرب کو اپنی زہریلی افواہوں کا نشانہ بنایا کیوں کہ یہ بنی امیہ کے سردار تھے، ان کو کفر کا سرغنہ قرار دیا، اسلام لانے سے قبل وہ ایسے ہی تھے، مگر جب وہ اسلام لے آئے تو ان لوگوں نے ان کے اسلام کا اعتراف نہیں کیا اور اسے دھوکہ، مکاری، اور تلوار کا ڈر قرار دیا، غزوہ حنین اور اس کے بعد مال غنیمت میں سے بہت سا حصہ نبی ﷺ نے انہیں اور ان کی اولاد کو عطا کیا جیسا کہ آپ نے کچھ کافروں کی دلجوئی کے لئے بہت سامان دیا، اس واقعے سے ان لوگوں نے اپنے نقطہ نظر کے لئے استشہاد کیا ہے۔ اُس وقت یہ بات درست تھی، مگر جب وہ حسن اسلام سے متصف ہو گئے تو ان لوگوں نے اس کی موافقت نہ کی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ذمہ داریاں سونپی، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں یمن کے صدقات کا ذمہ دار بنا کر بھیجا۔

معرکہ یرموک میں ان کا جو کارنامہ ہے اس کے بارے میں یہ لوگ خاموش رہتے ہیں، اسے بیان نہیں کرتے کیوں کہ اسی دن انہوں نے اپنی دوسری آنکھ کھودی تھی اور اس کے بعد وہ ناپینا ہو کر زندہ رہے اور ۷۱ سال سے زیادہ عرصہ تک الگ تھلگ رہ کر صرف عبادت کرتے رہے، حتیٰ کہ خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں ۳۱ ہجری میں ان کی وفات ہو گئی۔

ان لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگائی کہ وہ غیر مامون طریقے سے حکومت تک پہنچے تھے، انہوں نے

عمرو بن العاص سمجھ کر قتل کر دیا گیا، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دور رکھ سکیں۔

اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت بھی لگائی کہ انہوں نے اپنے خاندان بنو امیہ کے لوگوں کو قریب کیا اور ان کو ذمہ داریاں سونپی، اور عہدہ و منصب سے نوازا، اور انہیں آزادی دیدی، وہ جیسے چاہیں معاملات میں تصرف کریں۔

یہ بھی تہمت لگائی کہ وہ ضعیف تھے ان کا چچا زاد، مروان بن الحکم ان کے ساتھ کھلوڑ کرتا تھا یعنی انہیں جیسے چاہتا تھا گھما دیتا تھا، اسی وجہ سے بد نظمی پھیلی جو فساد اور فتنے کا سبب بنی۔

بہت سے صحابہ جو صلاحیت مند تھے اور عہدہ و منصب کی اہلیت رکھتے تھے وہ ذمہ داریاں قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور سلطان وقت انہیں اس پر مجبور نہیں کر سکتا تھا، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صلاحیت و اہلیت سے بہرہ مند شخص کو چننے پر مجبور تھے، ان کے بعض اقرباء نے اس معاملہ میں دلچسپی دکھائی اور خود درخواست کی، جن کا تعلق قریش قبیلے سے تھا اور سب سے پہلے وہ مسلمان اور صحابہ تھے، عثمان رضی اللہ عنہ کو انکار کا حق نہ تھا، لیکن جب ان گورنروں میں کوئی کمی دیکھتے تو انہیں معزول کر دیتے اور ان کی سرزنش کرتے، ان میں سے بہتوں کو معزول کیا اور جب ان کی صلاحیت اور صالحیت ثابت ہوگئی تو انہیں گورنری کے عہدے پر واپس کر دیا جنہوں نے فتوحات، جہاد اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اپنا کردار ادا کیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان لوگوں نے تہمت لگائی کہ وہ صاحب طمع تھے اور خون عثمان کا مطالبہ لے کر جو کھڑے ہوئے تھے وہ صرف سیاسی چال تھی تاکہ اپنی چاہتوں کی تکمیل کر سکیں، اسی وجہ سے وہ خلیفہ کے خلاف بغاوت کر بیٹھے، جب کہ بغاوت میں بڑی شرعی مخالفت ہیں، اور جب وہ خلافت تک پہنچ گئے، تو کل تک خون عثمان کا جو مطالبہ کر رہے تھے اسے بھول گئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے جس کا بھی قتل ہوا یا جس کی بھی وفات ہوئی ان سب کے قتل سے انہیں متہم کیا گیا، حالانکہ بد نظمی اور لاقانونیت کا رواج تھا اور انتقام کی روش بھی موجود تھی، ہر ایک نے دوسروں کے خون میں ہاتھ ڈبوئے، علی رضی اللہ عنہ خوارج کے ہاتھوں قتل کئے گئے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوارج ہی کے ذریعہ مار کر زخمی کیا گیا، انہیں کے ذریعہ قاضی مصر خارجہ کو

مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی جس کا قاتل معلوم نہ ہو اس کا قتل سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کیا گیا، اور جس بھی مرد کا انتقال ہوا تو معاویہ رضی اللہ عنہ پر اسے زہر پلانے کی تہمت لگائی گئی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی گئی کہ انہوں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو زہر پلا کر مار ڈالا، ان کی بیوی جعدہ بنت الاشعث بن قیس الکندی کے ذریعہ چپکے سے انہیں زہر پلا دیا، کیوں کہ معاویہ نے اس عورت کے ساتھ مل کر یہ چال چلی تھی کہ اگر تم حسن رضی اللہ عنہ کو کسی بہانے سے مار ڈالو گی تو میں تمہیں ایک لاکھ درہم دوں گا، اور اپنے لڑکے یزید سے تمہاری شادی کر دوں گا، اسی سازش نے اسے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلانے پر آمادہ کیا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے مال کے بارے میں اپنا وعدہ پورا کیا اور ایک لاکھ درہم بھیج دیا، لیکن یزید سے شادی کے بارے میں کہا: ہم یزید کی زندگی چاہتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس سے شادی کا اپنا وعدہ ضرور پورا کرتے۔ (مروج الذهب للمسعودی: ۵۱۳، طبعة المكتبة التجارية القاهرة ۱۹۶۳ م: محمد محی الدین عبد الحمید)

اس تہمت کی کمزوری اور بے ثباتی بالکل واضح ہے حتیٰ کہ جس مصدر کتاب نے یہ تہمت بیان کی ہے خود اسی نے اسے ضعیف قرار دے دیا ہے، کیوں کہ اسی میں حسن رضی اللہ عنہ کی زبان سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: مجھے متعدد مرتبہ زہر پلایا گیا مگر اس دفعہ جیسا کبھی نہیں پلایا گیا، اپنے کلیجے کا ایک ٹکڑا میں نے تھوکا، پھر میں نے دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں ایک لکڑی کے ذریعہ اسے الٹ پلٹ کر رہا ہوں، ان سے حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: بھائی جان! آپ کو کس نے زہر پلایا؟ فرمایا: اس سے تم کیا چاہتے ہو؟ اگر وہ وہی ہے جس کو میں گمان کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا اور اگر کوئی دوسرا ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ پکڑا جائے۔ (مروج الذهب للمسعودی: ۵۱۳)

یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو صرف گمان تھا انہوں نے کسی کو متہم نہ کیا تھا اور جس کو انہوں نے گمان کیا وہ صاحب سلطنت نہ تھے بلکہ لائق مواخذہ تھے اور ایسی صورت میں گرفت کا حق صرف سلطان کو ہے، اور چونکہ خلیفہ معاویہ تھے اس لئے سلطان

تمہارے لئے معافی ہے، اس پر حجر اور ان کے چند ساتھیوں نے کہا: تلواری کی دھار پر صبر کر لینا ہمارے لئے تمہاری دعوت قبول کر لینے سے زیادہ آسان ہے پھر اللہ، اس کے رسول اور ان کے وصی! کے پاس آنا جہنم میں داخل ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔

البتہ ان کے نصف ساتھیوں نے علی رضی اللہ عنہ سے براءت کی دعوت قبول کر لی، اور جب حجر کو قتل کے لئے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو، وہ لمبی نماز پڑھنے لگے ان سے پوچھا گیا: کیا ایسا موت سے گھبراہٹ کی وجہ سے ہے؟ کہا: نہیں، میں نے جب بھی نماز کے لئے وضو کیا تو نماز ضرور پڑھی اور اس سے زیادہ ہلکی نماز میں نے کبھی نہیں پڑھی، اور مجھ کو گھبراہٹ کیوں نہ ہو جب کہ میں کھدی ہوئی قبر، ننگی تلوار اور بکھرا ہوا کفن دیکھ رہا ہوں، پھر وہ آگے بڑھے اور انہیں ذبح کر دیا گیا اور ان کے جن ساتھیوں نے ان کی موافقت کی تھی ان کے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔“ (مروج الذهب للمسعودی: ۱۲/۳-۱۳)

معاویہ رضی اللہ عنہ پر عبدالرحمن بن خالد بن الولید کے قتل کی تہمت لگائی گئی، کیوں کہ وہ شام میں اہمیت حاصل کرتے جا رہے تھے، شام میں ان کی شان بڑھ گئی تھی، اور اہل شام کا میلان ان کی طرف ہو رہا تھا کیوں کہ خالد بن الولید کے آثار ان کے پاس تھے اور سرزمین روم میں انہوں نے شجاعت اور جوانمردی دکھائی تھی اور بڑی ثابت قدمی سے رومیوں کا مقابلہ کیا تھا، اسی وجہ سے معاویہ ان سے خوف کھانے لگے تھے، اور لوگوں کے ان کی طرف میلان کی وجہ سے انہیں اپنی جان کا خوف تھا، اس لئے انہوں نے ابن اثال کو حکم دیا کہ ان کے قتل کا کوئی حیلہ اپنائے اور کسی بہانے سے انہیں مار ڈالے، اور اگر وہ ایسا کرے گا تو زندگی بھر کے لئے اس کا خراج معاف کر دیں گے، اور حمص کے خراج کے وصولی کا اسے ذمہ دار بنادیں گے۔

جب عبدالرحمن بن خالد بن الولید روم سے واپسی میں حمص پہنچے تو ابن اثال نے ان کو اور ان کے بعض غلاموں کو چپکے سے زہر پیلا دیا، اسے پی کر وہ حمص میں ہی انتقال کر گئے۔

اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور جو ضمانت لی تھی اس کو نبھایا اور اسے حمص کے خراج کا ذمہ دار بنایا اور اس کے خراج کو معاف کر دیا۔ (الطبری: ۲۷۵/۲)

جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور امام ہونے کے ناطے حد قائم کرنے کے ذمہ دار تھے، رہی بات حسین رضی اللہ عنہ کی تو وہ امام پر حد قائم نہیں کر سکتے تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کیا گیا کہ انہوں نے اشتر نخعی کو قتل کر دیا، مسعودی اس کو روایت کرتے ہوئے کہتا ہے:

”علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو مصر کا گورنر متعین کیا اور ایک لشکر کے ساتھ اسے مصر بھیجا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو خبر لگی تو انہوں نے ایک کسان کے ساتھ مل کر سازش کی جو اپنی جھونپڑی میں تھا، اس سے کہا: میں بیس سال تک تیرا خراج معاف کر دوں گا، اگر کسی بہانے سے اشتر کو کھانے میں زہر دیدو، جب اشتر اس کی جھونپڑی میں اترے تو کسان نے پوچھا کون سا کھانا پینا اسے زیادہ پسند ہے؟ تو اسے بتایا گیا شہد، اس نے اسے شہد ہدیہ دیا اور کہا: اس کی یہ اور یہ خوبی ہے جسے اس نے اشتر سے بیان کیا، اشتر روزے سے تھا، لیکن اس نے ایک گھونٹ پی لیا، وہ شہد اس کے پیٹ میں جیسے ہی پہنچا وہ ہلاک ہو گیا، اس کے ساتھیوں نے کسان اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا، کہا گیا ہے کہ یہ قلمزم میں پیش آیا، پہلا قول زیادہ ثابت ہے، علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا: دونوں ہاتھوں اور منہ کی وجہ سے یہ حادثہ پیش آیا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو کہا: ”اللہ کا لشکر شہد بھی ہے“ (مروج الذهب: ۲/۴۲۰، ۴۲۱)

معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کیا گیا کہ انہوں نے حجر بن عدی الکندی کو قتل کر دیا، اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنہیں باندھ کر قتل کیا گیا، ریاد بن ابیہ نے انہیں نو ۹ کو فی ساتھیوں اور چار دوسرے لوگوں کے ساتھ کوفہ سے روانہ کیا اور جب وہ مرج عذراء دمشق سے بارہ میل کی دوری پر پہنچے تو ڈاکیہ ان کی خبر لے کر پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، انہوں نے ایک کانٹا آدمی بھیجا، جب وہ حجر اور ان کے ساتھیوں کے قریب پہنچا تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا: اگر فال صحیح ہے تو ہم میں سے نصف بچ جائیں گے اور آدھے مارے جائیں گے، اس سے کہا گیا یہ کیسے؟ کہا: کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ آنے والا آدمی ایک آنکھ والا ہے، اور اس کی دوسری آنکھ مصیبت زدہ ہے، جب وہ آدمی ان کے پاس پہنچا تو حجر سے کہا: امیر المؤمنین نے مجھے تم کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اے ضلالت کے سردار! کفر اور سرکشی کی کان! اور ابو تراب سے محبت اور دوستی کرنے والے! اور تمہارے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن اگر اپنے کفر سے رجوع کر لو اور اپنے دوست علی یر لعنت کرو اور ان سے برأت ظاہر کرو تو

حدیث خلافت تیس (۳۰) سال، تحقیقی جائزہ

تیسری اور آخری قسط

کچھ کفایت اللہ سنابلی (سویابی حیثیت اہل حدیث، مہینہ)

یہ روایت بھی باطل اور من گھڑت ہے اس میں بھی دو باتیں منقول ہیں۔

ایک یہ کہ اس میں تیس سال خلافت اور اس کے بعد ملوکیت کی پیشین گوئی ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کو خلیفہ نامزد کیا۔

یہ وہی باتیں ہیں جنہیں یحییٰ بن محمد الخلیبی کذاب اور وضاع حدیث نے بیان کیا ہے اور انہیں باتوں کو سعید بن جہان نے بھی سفینہ سے روایت کر دیا! امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر نقد کیا ہے اور اس کے باطل و من گھڑت ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ روایت اپنی دونوں باتوں کے ساتھ باطل و من گھڑت ہے تفصیل ملاحظہ ہوں:

اس میں کئی علتیں ہیں:

(الف): بقیہ سخت ضعیف حتیٰ کی کذا بین سے بھی تدلیس کرتے تھے اس لئے ان کا عنعنہ سخت ضعیف ہے اس کے عنعنہ کے مردود ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ (طبقات المدائسین لابن حجر: تقریوتی ص: ۱۴)

(ب) یحییٰ بن خالد ابوزکریا مجہول ہے۔ اور اس سند کے ساتھ یہ روایت کے بیان کرنے میں منفرد ہے۔ دنیا کے کسی راوی نے اس سند کے ساتھ اس کی متابعت نہیں کی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس متن کو اس سند کے ساتھ بیان کرنا اسی کا کارنامہ ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) رحمہ اللہ اس حدیث کو صراحتاً منکر قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهذان الحديثان منكران عن روح بأسانيدهما لا

شواہد کا جائزہ:

اس حدیث کے بعض شواہد بھی ملتے ہیں لیکن یہ شواہد بھی سخت ضعیف و مردود ہیں اس لئے یہ بھی قابل استشہاد نہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی شاہد:

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:

حدثنا محمد بن عبد الله بن فضيل ثنا بن مصفى وثنا الحسين بن عبد الله القطان ثنا سعيد بن عمرو قال ثنا بقیة عن يحيى بن خالد عن روح بن القاسم عن ليث عن مجاهد عن أبي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من دخل على حجري ليضع عمر حجرة الى جنب حجر أبي بكر ثم قال ليضع عثمان حجرة الى جنب حجر عمر ثم قال هم الخلفاء بعدى وبإسناده قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول الخلافة ثلاثون عاما ثم يكون الملك۔

صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس کون آئے گا؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئیں اور وہ ابو بکر کے رکھے ہوئے پتھر کے پاس ایک پتھر رکھ دیں۔ پھر فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ آئیں اور عمر رضی اللہ عنہ کے رکھے ہوئے پتھر کے پاس ایک پتھر رکھ دیں۔ پھر فرمایا: یہ لوگ میرے بعد خلفاء ہیں۔ اور اسی سند سے راوی نے بیان کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: خلافت تیس سال رہے گی پھر ملوکیت آجائے گی۔ (الکامل فی

الضعفاء: ۲۴۸/۷، واسناده ضعیف جدا)

البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے حدیث سفینہ کے شواہد میں پیش نہیں کیا ہے۔

صحابی رسول معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی شاہد:
امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

حدثنا سليمان بن عبد الرحمن الدمشقي قال: حدثنا
مطر بن العلاء الفزاري قال: حدثنا عبد الملك بن يسار
الثقفي قال: حدثني أبو أمية الشعباني، وكان جاهلياً،
قال: حدثني معاذ بن جبل قال: قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم: ثلاثون خلافة نبوة، وثلاثون نبوة وملك،
وثلاثون ملك وتجبر، وما وراء ذلك فلا خير فيه۔

صحابی رسول معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ
کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیس سال خلافت نبوت
ہوگی اور تیس سال ملوکیت نبوت ہوگی اور تیس سال ملوکیت جبر
ہوگی۔ اس بعد جو وقت آئے گا اس میں کوئی خیر نہ
ہوگا۔ (المعرفة والتاريخ للفسوي: ۳۶۱/۲، واستنادہ
صحيح، واخرجه الطبراني في الاوسط
: ۱۰۹/۹، وابن عساكر في تاريخ
دمشق: ۳۷۱/۹، من طريق سليمان به)

اس کی سند میں کئی کمزوریاں ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے
اس روایت کو بھی ضعیف و منکر قرار دیا ہے اور اسے بھی حدیث
سفینہ کے شواہد میں پیش نہیں کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) اس روایت کے بارے
میں فرماتے ہیں:

رواه يعقوب الفسوي، والطبراني. وفي السند
مجھولان۔

اسے یعقوب الفسوی اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور سند میں
دو مجہول راوی ہیں۔ (تاريخ الإسلام للذهبي ت
تدمري: ۴۰۰/۱۲)

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔
دیکھئے: (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۴۷۶/۳)

مطر بن العلاء الفزاري کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں
کہا ہے۔ لہذا یہ مجہول ہے جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔
اور اس کی بیشتر روایات میں اس کی کوئی متابعت نہیں کرتا ہے

یرويهما عن روح غير يحيى بن خالد، وهو من مجهولي
شيوخ بقیة، ولا أعلم رواهما، عن يحيى هذا غير بقیة۔

یہ دونوں احادیث روح سے اپنی دونوں سندوں کے ساتھ منکر
ہیں، انہیں روح سے یحییٰ بن خالد کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا
اور یہ بقیہ کے مجہول اساتذہ میں سے ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ
انہیں اس یحییٰ سے بقیہ کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا
ہو۔ (الکامل في ضعفاء الرجال لابن
عدی: ۱۱۸/۹)

نیز دیکھئے: (لحظ الألفاظ في الاستدراك والزيادة
على ذخيرة الحفاظ: رقم: ۲۸۸۔ موسوعة الأحاديث
والآثار الضعيفة
والموسوعة: ج: ۴، ص: ۴۵، رقم: ۱۰۳۳۹)

(ج) لیث بن ابی سلیم ضعیف اور مدلس ہے۔ دیکھئے
: (ہماری کتاب: یزید بن معاویہ پر الزامات کا
تحقیقی جائزہ: ص: ۵۲۷ تا ۵۲۹)

لیث کی بیان کردہ یہ روایت شدید نکارت والی ہے جیسا کہ اس
کے ایک حصہ کے باطل ہونے کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی
اشارہ کیا ہے جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے
ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو خلیفہ نامزد کیا گیا ہے۔ لیث وغیرہ
کی جن احادیث میں اس طرح کی شدید نکارت ہو اس پر موضوع
کا حکم لگے گا:

علامہ عبد الرحمن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ
(المتوفی: ۱۳۸۶) فرماتے ہیں:

وليث كما في التقريب (صدوق اختلط أخيراً ولم
يتميز حديثه فترك) ومثله: إذا جاء بالمنكر الشديد
الإنكار اتجه الحكم بوضعه۔

اور لیث جیسا کہ تقریب میں ہے صدوق ہے اور آخر میں مختلط
ہوا گیا اور اسکی حدیثوں میں تمیز نہ کی جاسکی کہ کونسی اختلاط سے
پہلے کی ہیں اور کونسی اختلاط کے بعد کی اس لئے متروک قرار پایا
(معلمی فرماتے ہیں) اس طرح کا راوی جب شدید نکارت والی
بات بیان کرے تو اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے کا حکم
لگے گا۔ (انفوائد المجموعة ت: المعلمی ص: ۴۷۰)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے اور صحیح حدیث کے
خلاف ہونے کے سبب باطل، موضوع اور من گھڑت ہے۔ علامہ

اور ایسا مجہول شخص سخت ضعیف ہوا کرتا ہے۔
علامہ معلی رحمہ اللہ ایک ایسے ہی مجہول کے بارے میں فرماتے ہیں:

نقل فی اللسان أن ابن حبان ذكره في الثقات، وقال (يغرب) وإذا كان يغرب مع جهالته وإقلا له فهو تالف۔
ابن حجر رحمہ اللہ نے اللسان میں نقل کیا کہ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا یہ منفرد باتیں روایت کرتا ہے اور جب یہ اپنی جہالت اور قلت روایت کے ساتھ منفرد باتیں روایت کرتا ہے تو یہ تباہ و برباد یعنی سخت ضعیف ہے۔ (الفوائد المجموعۃ ت: المعلمی: ص: ۴۱۶)
ایک اور جگہ علامہ معلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمجهول إذا روى خبرين لم يتابع عليهما، فهو تالف۔

مجہول شخص جب ایسی دو روایتیں بیان کرے جن پر اس کی متابعت نہ کی گئی ہے تو وہ تباہ و برباد یعنی سخت ضعیف ہے۔ (الفوائد المجموعۃ ت: المعلمی: ص: ۲۹۹)
سند میں ان کمزوریوں کے ساتھ اس کا متن بھی نکارت سے پر ہے۔

کیونکہ متن میں مسلسل تیس تیس سال کی گردان کی گئی ہے جب کہ ذخیرہ احادیث میں اس جیسی کوئی اور روایت نہیں ملتی۔
متن میں ایک دوسری نکارت کی نشاندہی کرتے ہوئے علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم إن في متن الحديث نكارة من وجوه أهمها قوله في آخره: ”وما وراء ذلك فلا خير فيه“، فإنه مخالف لقوله صلى الله عليه وسلم في حديث حذيفة بعد أن ذكر الملك الجبري: ”ثم تكون خلافة علي منهاج النبوة، ثم سكت“۔ وهو مخرج في ”الصحيحة“۔

اس حدیث کے ضعیف ہونے کے ساتھ اس کے متن میں کئی اعتبار سے نکارت موجود ہے جس میں سب سے اہم اس کا آخری ٹکڑا ہے کہ اس (جبری ملوکیت آجانے) کے بعد کوئی خیر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بات حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور اللہ کے نبی صلی اللہ علی وسلم کے اس قول کے خلاف ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبری ملوکیت کے ذکر کے بعد فرمایا: پھر خلافت

علی منهاج النبوت ہوگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اس حدیث کی تخریج الصحیحہ: رقم: ۵، میں کی جا چکی ہے۔ (سلسلة الأحادیث الضعيفة

والموضوعة: ۴۷۶/۳)
خلاصہ یہ کہ یہ شاہد سند و متن کے اعتبار سے سخت ضعیف و مردود ہے اسی لئے علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے حدیث سفینہ کے شواہد میں ذکر نہیں کیا ہے۔

واضح رہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خلافت کے بارے میں ایک دوسری حدیث مروی ہے اس میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے خلافت کے دور کی تحدید نہیں بتلائی ہے۔ (السنة لابن أبي عاصم: ۵۳۴/۲)

اس کی سند بھی ضعیف ہے لیکن شواہد کی روشنی میں صحیح ہے علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (ظلال الجنة للألبانی: رقم: ۱۱۳۰)

صحابی رسول ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی شاہد:
امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

وأخبرنا أبو الحسين بن الفضل أخبرنا عبد الله بن جعفر حدثنا يعقوب بن سفيان حدثنا محمد بن فضيل حدثنا مؤمل حدثنا حماد بن سلمة عن علي بن زيد عن عبد الرحمن بن أبي بكرة عن أبيه قال سمعت رسول الله يقول الخلافة نبوة ثلاثين عاما ثم يؤتى الله الملك من يشاء فقال معاوية قدر ضينا بالملك۔

صحابی ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: خلافت نبوت تیس سال ہوگی اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا ملوکیت عطا کر دے گا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ملوکیت سے راضی ہیں۔ (دلائل النبوة للبيهقي: ۳۴۲/۶، واسنادہ ضعیف جدا و متنہ منکر و اخرجه ايضا ابن الاعرابی فی معجمہ: ۵۰۶/۲، من طریق مؤمل بہ)

یہ ان دو شواہد میں سے ایک ہے جنہیں علامہ البانی رحمہ اللہ نے حدیث سفینہ میں مذکور تیس سال خلافت والے جملے کی تائید میں پیش کیا ہے۔

لیکن یہ شاہد بھی سخت ضعیف ہے۔ بلکہ ان شواہد میں سب سے بدترین ہے، اس کی سند کی کیفیت پر بات کرنے سے پہلے آئیے

۔۔۔ فقال معاوية :أتقول الملك ؟ فقد رضينا بالملك۔ (مسند أحمد ط الميمنية: ۵۰/۵)

(۳) ہوزة بن خليفة کی روایت:

حدثنا هوزة بن خليفة، حدثنا حماد بن سلمة، عن علي بن زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبي بكرة، أن رجلا قال: يا رسول الله، من خير الناس؟ قال: من طال عمره، وحسن عمله قال: فأى الناس شر؟ قال: من طال عمره، وساء عمله۔ وبإسناده، وقال عبد الرحمن: وفدنا إلى معاوية نعزيه مع زياد، ومعنا أبو بكرة، فلما قدمنا لم يعجب بوفد ما أعجب بنا، فقال: يا أبا بكرة حدثنا بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعجبه الرؤيا الحسنة، ويسأل عنها، وإنه قال ذات يوم: أيكم رأى رؤيا؟ فقال رجل من القوم: أنا رأيت ميزانا دلي من السماء، فوزنت فيه أنت وأبو بكر، فرجحت بأبي بكر، ثم وزن فيه أبو بكر وعمر، فرجح أبو بكر بعمر، ثم وزن فيه عمر وعثمان، فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فاستاء لها النبي صلى الله عليه وسلم، أي أولها، فقال: خلافة نبوة، ثم يؤتى الله الملك من يشاء۔۔۔۔۔ فقال معاوية: تقول: إنا ملوك؟ قد رضينا بالملك۔ (مسند أحمد ط الميمنية: ۵۰/۵)

(۴) ابوداؤد الطيالسی کی روایت:

حدثنا حماد بن سلمة، قال: حدثنا علي بن زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، قال وفدنا إلى معاوية مع زياد ومعنا أبو بكرة فدخلنا عليه فقال له معاوية: حدثنا حديثا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم عسى الله أن ينفعنا به قال: نعم، كان نبي الله صلى الله عليه وسلم تعجبه الرؤيا الصالحة ويسأل عنها فقال رجل: يا رسول الله (ص: ۱۹۷)، إني رأيت رؤيا، رأيت كأن ميزانا دلي من السماء فوزنت أنت وأبو بكر فرجحت بأبي بكر ثم وزن أبو بكر بعمر فرجح أبو بكر بعمر ثم وزن عمر بعثمان فرجح عمر بعثمان ثم رفع الميزان فاستاء لها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال: خلافة نبوة ثم يؤتى الله

یہ دیکھ لیں کہ اس روایت کا اصل متن کیا ہے؟

تو عرض ہے کہ اس روایت کو حماد بن سلمہ کے طریق سے درجنوں لوگوں نے روایت کیا ہے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صرف حماد کے شاگرد مؤمل کا متن پیش کیا ہے۔ لیکن اسی روایت کو حماد بن سلمہ سے ہی جب مؤمل کے علاوہ دیگر رواۃ روایت کرتے ہیں تو اس کا متن کچھ اور ہی سامنے آتا ہے ملاحظہ ہو:

(۱) عبد الصمد بن عبد الوارث کی روایت:

حدثنا عبد الصمد، حدثنا حماد، يعني ابن سلمة، حدثنا علي بن زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، قال: وفدت مع أبي إلى معاوية بن أبي سفيان، فأدخلنا عليه، فقال: يا أبا بكرة، حدثني بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعجبه الرؤيا الصالحة ويسأل عنها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم: أيكم رأى رؤيا؟ فقال رجل: أنا يا رسول الله، رأيت كأن ميزانا دلي من السماء، فوزنت أنت بأبي بكر فرجحت بأبي بكر، ثم وزن أبو بكر بعمر، فرجح أبو بكر بعمر، ثم وزن عمر بعثمان، فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فاستاء لها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: خلافة نبوة، ثم يؤتى الله الملك من يشاء۔ (مسند أحمد ط الميمنية: ۴۴/۵)

(۲) عفان بن مسلم الباہلی کی روایت:

حدثنا عفان، حدثنا حماد بن سلمة، أخبرنا علي بن زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، قال: وفدنا مع زياد إلى معاوية بن أبي سفيان، وفيما أبو بكرة، فلما قدمنا عليه لم يعجب بوفد ما أعجب بنا، فقال: يا أبا بكرة حدثنا بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعجبه الرؤيا الحسنة، ويسأل عنها، فقال ذات يوم: أيكم رأى رؤيا؟ فقال رجل: أنا رأيت، كأن ميزانا دلي من السماء، فوزنت أنت وأبو بكر، فرجحت بأبي بكر، ثم وزن أبو بكر وعمر، فرجح أبو بكر بعمر، ثم وزن عمر بعثمان، فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فاستاء لها، وقد قال حماد أيضا: فساءه ذاك، ثم قال: خلافة نبوة، ثم يؤتى الله الملك من يشاء

الملك من يشاء ----- فقال له معاوية: لا أبا لك
تخبرنا أنا ملوك فقد رضينا أن نكون ملوكا۔ (مسند
أبي داود الطيالسي: ۱۹۶/۲)

(۵) قبيصة بن عقبة کی روایت:

حدثنا قبيصة بن عقبة، عن حماد بن سلمة، عن علي بن
زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه قال: وفدنا مع
زياد إلى معاوية فما أعجب بوفد أعجب بنا فقال: يا أبا
بكرة، حدثني بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه
وسلم، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول،
وكانت تعجبه الرؤيا الحسنة يسأل عنها فيقول: رأيت
ميزانا أنزل من السماء فوزنت فيه أنا وأبو بكر فرجحت
بأبي بكر، ووزن أبو بكر وعمر فرجح أبو بكر، ثم وزن
عمر وعثمان فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان إلى
السماء، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خلافة نبوة،
ثم يؤتى الله الملك من يشاء، قال: فخرج في أفئتنا
فأخرجنا۔ (مصنف ابن أبي شيبة: ۱۷۶/۶)

(۶) إبراهيم بن الحجاج الناجي کی روایت:

ثنا إبراهيم بن حجاج، ثنا حماد بن سلمة، عن علي بن
زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه، أن رجلا
قال: يا رسول الله، رأيت كأن ميزانا دلي من السماء،
فوزنت فيه أنت وأبو بكر، فرجحت بأبي بكر، ثم وزن فيه
أبو بكر وعمر فرجح أبو بكر بعمر، ثم وزن فيه عمر
وعثمان فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فاستألفها،
يعني تأولها، ثم قال: خلافة نبوة، ثم يؤتى الله الملك من
يشاء۔ (السنة لابن أبي عاصم: ۵۳۸/۲)

(۷) حجاج بن المنهال کی روایت:

حدثنا أبو مسلم إبراهيم بن عبد الله الكشي قثنا حجاج
بن المنهال قثنا حماد، عن علي بن زيد، عن عبد الرحمن
بن أبي بكرة، عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه
وسلم تعجبه الرؤيا الحسنة فيسأل عنها، فقال ذات
يوم: أيكم رأى رؤيا؟ فقال رجل: رأيت كأن ميزانا من
السماء، فوزنت وأبو بكر فرجحت بأبي بكر، ووزن أبو
بكر بعمر، فرجح أبو بكر بعمر، ثم وزن عمر وعثمان

فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فاستألفها رسول الله
صلى الله عليه وسلم فقال: خلافة نبوة، ثم يؤتى الله
الملك من يشاء۔ (فضائل الصحابة لأحمد بن
حنبل: ۳۸۱/۱)

(۸) الأسود بن عامر کی روایت:

فوجدنا علي بن معبد قد حدثنا قال: حدثنا الأسود بن
عامر قال: أخبرنا حماد بن سلمة، عن علي بن زيد، عن
عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه قال: ”كان رسول الله
صلى الله عليه وسلم يعجبه الرؤيا ويسأل عنها، فقال ذات
يوم: ”أيكم رأى رؤيا؟“، فقال رجل: أنا يا رسول الله،
رأيت كأن ميزانا دلي من السماء، فوزنت فيه أنت وأبو
بكر فرجحت بأبي بكر، ثم وزن فيه أبو بكر وعمر فرجح
أبو بكر بعمر، ووزن فيه عمر وعثمان فرجح عمر
بعثمان، ثم رفع الميزان. فاستألفها رسول الله صلى الله
عليه وسلم، فقال: خلافة نبوة، ثم يؤتى الله الملك من
شاء“۔ (شرح مشكل الآثار: ۴۱۳/۸)

(۹) موسى بن إسماعيل:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا حماد، عن علي بن
زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه، أن النبي
صلى الله عليه وسلم قال: ذات يوم أيكم رأى رؤيا؟ فذكر
معناه، ولم يذكر الكراهية، قال: فاستألفها رسول الله
صلى الله عليه وسلم، يعني فسأله ذلك، فقال: خلافة
نبوة، ثم يؤتى الله الملك من يشاء۔ (سنن أبي
داود: ۲۰۸/۳، ومن طريق أبي داود أخرجه
البيهقي في دلائل النبوة: ۳۲۸/۶)

(۱۰) بسام بن يزيد النقال کی روایت:

حدثني بسام الحمالي حدثنا حماد بن سلمة عن علي بن
زيد عن عبد الرحمن بن أبي بكرة قال: وفد أبو بكرة مع
زياد إلى معاوية، فقال: يا أبا بكرة، حدثني بشيء سمعته
عن النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: كانت الرؤيا
الحسنة تعجب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال ذات
يوم: أيكم رأى رؤيا؟ فقال رجل: أنا رأيت كأن ميزانا دلي
من السماء فوزنت فيه وأبو بكر فرجحت بأبي بكر، ثم

وزن أبو بكر وعمر فرجح أبو بكر، ثم وزن عمر وعثمان فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: تكون خلافة نبوة ثم يؤتى الله الملك من يشاء فقال: فأمر فرخ في أقفيتنا فأخرجنا، فقال زياد: لا أبا لك أما وجدت غير هذا الحديث؟! ثم دعا معاوية بأبي بكر فساله عن الحديث فحدثه به، فأمر بإخراجه وقال: أتقول الملك، قد رضينا بالملك۔ (أنساب الأشراف للبلاذري، ط، دار الفكر: ۲۳۲/۵، بسام وثقه ابن حبان: ۱۵۵/۸، وروى عنه ابن أبي حاتم: ۲۳۲/۲)

حماد کے ان دس شاگردوں کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ عبد الرحمن بن ابی بکر کہتے ہیں کہ میں اپنے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو بکر آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث سنی ہیں ان میں سے کچھ سناؤ! تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے خواب بہت پسند تھے اور آپ اس بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟ تو ایک شخص نے کہا: میں نے، میں نے دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک ترازو اتری ہے تو آپ کا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھاری ہو گئے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ بھاری ہو گئے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ بھاری ہو گئے، پھر ترازو اٹھالی گئی۔ تو (اس بات پر) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تاویل کرتے ہوئے کہا: یہ خلافت نبوت کی طرف اشارہ ہے اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گاملوکیت دے دے گا۔

ملاحظہ فرمائیں: حماد بن سلمہ کے یہ کل دس ثقہ شاگرد ہیں جو حماد سے اسی سند سے اسی حدیث کو مفصل یا مختصر الگ سیاق میں روایت کرتے ہیں اور سب یہ بات بیان کرنے میں متفق ہیں کہ خلافت والا جملہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سال کی

تحدید کے بغیر فرمایا ہے نیز اسے ایک ایسے خواب کی تاویل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

اس سیاق کے ساتھ اس روایت میں بدترین نکارت ہے کیونکہ اس کے مطابق:

۱۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی صریح پیشین گوئی کی ہے جبکہ یہ بات صحیح حدیث کے خلاف ہے کما مضی۔

۲۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان تینوں صحابہ کی خلافت کو خلافت نبوت کہا ہے اور اس کے بعد ملوکیت کا آغاز بتلایا ہے اس اعتبار سے علی رضی اللہ عنہ کا دور، خلافت نبوت سے خارج قرار پاتا ہے اور یہ بات غلط ہے۔

حماد کے دس شاگردوں کے بیان کے مطابق حماد کی اس روایت کی اصل کیفیت یہی ہے جسے بیان کیا گیا، ان دس ثقہ شاگردوں کے خلاف صرف اور صرف مؤمل ہی ایک شاگرد ہے جو اس روایت کو اختصار کر کے بیان کرتا ہے اور الگ الفاظ میں اس طرح روایت کرتا ہے کہ خلافت والا جملہ خواب سے کاٹ دیتا ہے اور اس میں تیس سال کی تحدید کا اضافہ کر دیتا ہے۔

مؤمل بھی ثقہ ہے لیکن اس کے حافظہ پر جرح بھی ہوئی ہے۔ دیکھئے ہماری کتاب: انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر۔

اس لئے جب دس شاگردوں کے خلاف اس کی روایت ملے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ ایک روایت کے مطابق الحجاج بن محمد المصیصی نے بھی مؤمل جیسے الفاظ نقل کئے ہیں۔ دیکھئے: (جزء ثمانون حدیث لا تجری: ص: ۴۳، رقم: ۳۸، جامع بیان العلم وفضلہ) (الزہیری: ۱۱۷۴/۲)

لیکن الحجاج ہی کی دوسری روایت کے الفاظ حماد کے مذکور دس شاگردوں کے موافق ہیں اس روایت کو ابو عبید اللہ نے غریب الحدیث میں روایت کیا ہے۔ دیکھئے: (غریب الحدیث للہروی: ج: ۱، ص: ۴۲۲) اس لئے اس اختلاف کا ذمہ دار الحجاج سے نیچے کوئی دوسرا راوی ہے۔

لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حجاج نے مؤمل کی متابعت کی ہے اور متابعت مان بھی لیں تو بھی دس شاگردوں کے خلاف دو شاگردوں

کی بات قطعاً غیر مسموع ہے۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو بھی یہ روایت زیر بحث روایت کے لئے شاہد نہیں بن سکتی کیونکہ محفوظ روایت میں خلافت کے لئے تیس سال کی تحدید نہیں ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ سند بھی یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں علی بن زید راوی ہے جو سخت ضعیف راوی جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص: ۳۸۶ پر پیش کی ہے۔

یہ علی بن زید وہی راوی ہے جس نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو میرے منبر پر دیکھو تو قتل کر دو۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۳۳۳/۶، ومن طریقہ اخرجہ ابن عساکر فی تاریخہ: ۱۵۶/۵۹)

واخرجہ ایضاً البلاذری فی الانساب: ۱۲۸/۵، من طریق الحجاج عن علی بن زید بہ ورجالہم ثقاة سوی علی بن زید) اس کے سارے رجال ثقہ ہیں سوائے علی بن زید کے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ علی بن زید کی روایات سخت ضعیف بلکہ باطل و موضوع ہوا کرتی ہیں۔

الغرض یہ کہ متن یا سند کسی بھی اعتبار سے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت، حدیث سفینہ میں مذکور تیس سال خلافت والے جملے کی شاہد نہیں بن سکتی۔

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی شاہد:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والآخر: عن جابر بن عبد اللہ الأنصاری. أخرجه الواحدی فی "الوسیط": (۲/۱۲۶/۳) عن شافع بن محمد حدثنا ابن الوشاء بن إسماعیل البغدادی: حدثنا محمد بن الصباح حدثنا هشیم بن بشیر عن أبي الزبیر عنه به نحوه۔۔۔ وفي الآخر شافع بن محمد حدثنا ابن الوشاء بن إسماعیل البغدادی، ولم أعرفهما ولعل فی النسخة تحريفا۔

اس حدیث کا دوسرا شاہد جابر بن عبد اللہ الأنصاری سے منقول ہے جسے واحدی نے الوسيط: (۲/۱۲۶/۳) میں شافع بن

محمد حدثنا ابن الوشاء بن إسماعیل البغدادی: حدثنا محمد بن الصباح حدثنا هشیم بن بشیر عن أبي الزبیر کی سند سے جابر رضی اللہ عنہ سے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔۔۔ اس دوسرے شاہد میں شافع بن محمد اور ابن الوشاء بن إسماعیل البغدادی کا ذکر ہے اور ان دونوں کو میں نہیں جان سکا ہو سکتا ہے نسخہ میں ہی تحریف ہو۔ (سلسلة الأحادیث الصحيحة: ۱/۸۲۳)

یہ وہ دوسرا اور آخری شاہد ہے جسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے حدیث سفینہ کے شواہد میں پیش کیا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کا متن ذکر نہیں کیا ہے اور امام واحدی کی اس کتاب کے مطبوعہ نسخہ میں یہ روایت میں تلاش نہیں کر سکا تا کہ مکمل متن و سند پر نظر ثانی کی جاتی۔ تاہم شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند نقل کر دی ہے اور سند کی ابتداء سے مسلسل دو رواۃ سے اپنی عدم معرفت کا اظہار کیا ہے۔

چونکہ ان دونوں رواۃ کا کچھ اتنا پتا نہیں ہے اور کذا بین کے یہاں اس روایت کا سراغ مل گیا ہے اس لئے ایسے مجہولین کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں۔

ایک بے سند مرسل روایت:

أبو العباس، أحمد بن عبد اللہ بن محمد، محب الدين الطبري (المتوفى: ۶۹۴) نے نقل کیا:

وعن سهل بن أبي خيثمة قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم: "ألا وإن الخلفاء بعدى أربعة، والخلافة بعدى ثلاثون سنة نبوة ورحمة، ثم خلافة ثم ملك ثم جبرية وطواغيت ثم عدل وقسط، ألا إن خير هذه الأمة أولها وآخرها" أخرجه أبو الخير القزويني الحاكمي۔

سهل بن ابی خيثمة رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! میرے بعد چار خلفاء ہوں گے۔ اور میرے بعد تیس سال تک خلافت نبوت و رحمت رہے گی، پھر اس کے بعد ملوکیت کا آغاز ہوگا، پھر اس کے بعد جبریت اور طاغوتیت کا آغاز ہوگا، پھر اس کے بعد عدل و انصاف کا دور ہوگا۔ سنو! اس امت کے بہترین لوگ اس کے شروع اور آخر کے لوگ ہیں اس حدیث کو ابوالخیر القزوينی الحاکمی نے روایت کیا ہے۔

سهل بن ابی خيثمة اگر یہ سهل بن ابی حثمة ہیں تو یہ صحابی

رضی اللہ عنہ، أن رجلا قال: يا رسول الله، رأيت كأن ميزانا دلي من السماء فوزنت بأبي بكر فرجحت بأبي بكر، ثم وزن أبو بكر بعمر فرجح أبو بكر بعمر، ثم وزن عمر بعثمان فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فاستهلها رسول الله صلى الله عليه وسلم خلافة نبوة ثم يؤتى الله الملك من يشاء۔

سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے (خواب) دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک ترازو اتری ہے تو آپ کا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھاری ہو گئے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ بھاری ہو گئے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ بھاری ہو گئی، پھر ترازو اٹھالی گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تاویل یہ کی کہ یہ خلافت نبوت کی طرف اشارہ ہے اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گاملوکیت دے دے گا۔ (مسند البزار: ۲۸۱/۹)

یہ حدیث بھی سفینہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ اور یہاں بھی سفینہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کرنے والا سعید بن جمہان ہی ہے اور اس کے نیچے کی مکمل سند صحیح ہے۔

امام بویہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰) نے اسی حدیث کو اسی سند و متن کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرمایا:

هذا إسناد صحيح۔

یہ سند صحیح ہے۔ (اتحاف الخیرة المہرۃ للبوصیری: ۱۱/۵)

اب اس حدیث میں غور کیجئے اس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے خواب کی تعبیر بتلاتے ہوئے ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد ان کے دور کو خلافت نبوت کا دور قرار دیا ہے اور پھر اس کے بعد ملوکیت کا دور بتلایا ہے۔

اب سوال یہ کہ کیا اس حدیث کی بنیاد پر یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ علی رضی اللہ عنہ پہلے بادشاہ ہیں؟

یاد رہے کہ اس حدیث کے بھی شواہد موجود ہیں بلکہ اس کا ایک شاہد تو بالکل اسی سند سے ہے جس سند سے علامہ البانی رحمہ اللہ

ہیں۔ (العلل للدارقطنی، ت محفوظ السلفی: ۲۳۵/۶)۔ لیکن یہ اگر سہل بن ابی خیشمہ ہیں تو تابعی ہیں۔ (معجم الصحابة للبخاری - ط: مبررة الآل والأصحاب: ۳۴/۳)

یہاں ان کے شاگرد کا ذکر نہیں ہے اور نہ کسی اور مقام پر یہ روایت مل سکی کہ پتہ لگایا جاسکے کہ کون ہیں۔

بہر حال اگر یہ تابعی ہیں تو یہ روایت بے سند ہونے کے ساتھ مرسل ہے اور اگر صحابی ہیں تو بھی یہ روایت بے سند ذکر کی گئی ہے اور کسی عالم سے اس کی تصحیح بھی منقول نہیں ہے اس لئے یہ روایت بھی مفقود السند ہونے کے سبب بے سود ہے۔

نیز اس روایت میں ایک شدید نکارت یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف گنتی کے چار خلیفہ بتائے گئے ہیں۔ اس لئے اس حدیث کی روشنی میں حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ شمار نہیں ہوں گے۔ جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ تمام شواہد سخت ضعیف و ناقابل اعتبار ہیں۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بادشاہ ہیں؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جن لوگوں نے پہلے بادشاہ کہا ہے ان کی بنیادی دلیل وہی سعید بن جمہان کی منفرد روایت ہے جس کی حقیقت اوپر پیش کر دی گئی ہے۔

اگر کوئی شخص سعید بن جمہان کے تفرّد کی حقیقت سامنے آ جانے کے بعد بھی محض ظاہر پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے ضد کرے کہ سعید بن جمہان مختلف و متکلم فیہ ہونے کے باوجود بھی جب صدوق و ثقہ ہے تو اس کی روایت قابل قبول ہے۔ لہذا اس کی روایت کی بنا پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بادشاہ ہیں۔

تو ایسے شخص کی خدمت میں عرض ہے کہ اصول حدیث میں اس ظاہر پرستی کی بنا پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے علی رضی اللہ عنہ پہلے بادشاہ ثابت ہو جائیں گے کیونکہ ان کے پہلے بادشاہ ہونے سے متعلق بھی ایک حدیث سعید بن جمہان عن سفینہ ہی کے طریق سے وارد ہوئی ہے ملاحظہ ہو:

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲) نے کہا:

حدثنا رزق الله بن موسى، قال: حدثنا مؤمل، قال: حدثنا حماد بن سلمة، عن سعيد بن جمهان، عن سفينة،

نے تیس سال خلافت والی حدیث کا پہلا شاہد پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

حدثنا عفان، حدثنا حماد بن سلمة، أخبرنا علي بن زيد، عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، قال: وفدنا مع زياد إلى معاوية بن أبي سفيان، وفيما أبو بكرة، فلما قدمنا عليه لم يعجب بوفد ما أعجب بنا، فقال: يا أبا بكرة حدثنا بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعجبه الرؤيا الحسنة، ويسأل عنها، فقال ذات يوم: أيكم رأى رؤيا؟ فقال رجل: أنا رأيت، كأن ميزانا دلي من السماء، فوزنت أنت وأبو بكر، فرجحت بأبي بكر، ثم وزن أبو بكر وعمر، فرجح أبو بكر بعمر، ثم وزن عمر بعثمان، فرجح عمر بعثمان، ثم رفع الميزان، فاستاء لها، وقد قال حماد أيضا: فساءه ذاك، ثم قال: خلافة نبوة، ثم يؤتى الله الملك من يشاء۔

عبدالرحمان بن ابی بکر کہتے ہیں کہ ہم زیاد کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ہمارے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو جب ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس قدر ہمارے وفد کی آمد پر خوش ہوئے اس طرح کسی اور وفد پر خوش نہ ہوئے، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی سنائے! تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے خواب پسند تھے اور آپ اس کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ تو ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ تو ایک صحابی نے کہا: میں نے دیکھا ہے۔ میں نے (خواب) دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک ترازو اتری ہے تو آپ کا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھاری ہو گئے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ بھاری ہو گئے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ بھاری ہو گئے، پھر ترازو اٹھالی گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ناگوار گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (

اس خواب کی تاویل کرتے ہوئے) فرمایا: یہ خلافت نبوت کی طرف اشارہ ہے اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا ملکیت دے دے گا۔ (مسند أحمد ط الميمنية: ۵۰/۵)

اور جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو بعض علماء نے ملکیت کا دور قرار دیا ہے اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق بھی ایک صحابی کا یہ بیان ملتا ہے کہ انہوں نے اس دور کو ملکیت کا بلکہ جبری ملکیت کا دور قرار دیا ہے چنانچہ:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

حدثنا موسى حدثنا وهيب عن أيوب عن أبي قلابة عن أبي الأشعث كان ثمامة القرشي على صنعاء وله صحبة فلما جاءه قتل عثمان بكى فأطال وقال اليوم نزلت الخلافة من أمة محمد صلى الله عليه وسلم وصارت ملكا وجبرية من غلب على شيء أكله۔

ابوالاشعث روایت کرتے ہیں کہ صحابی رسول ثمامہ القرشی رضی اللہ عنہ صنعاء میں تھے، انہیں جب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو روپڑے اور دیر تک روئے پھر فرمایا: آج امت محمدیہ سے خلافت لے لی گئی ہے اور اب جبری ملکیت کا دور شروع ہو گیا ہے جو جس چیز پر غلبہ پائے گا اسے کھا جائے گا۔ (التاریخ الأوسط للبخاری، ن الرشد: ۱/۲۰۰، واسنادہ صحیح علی شرط مسلم)

دکتور اکرم ضیاء العمری نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے دیکھئے: (عصر الخلافة الراشدة، محاولة لنقد الرواية التاريخية وفق منهج المحدثين: ۱/۲۴۲)

اب کیا ان روایات کی بنا پر یہ کہا جائے گا کہ علی رضی اللہ عنہ کا دور بھی ملکیت بلکہ جبری ملکیت کا دور ہے؟

ہماری نظر میں علی رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق بھی یہ روایت اسی طرح ضعیف ہے جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ملکیت بتانے والی روایت ضعیف ہے۔

اس لئے نہ ہم علی رضی اللہ عنہ کے دور کو ملکیت کا دور مانتے ہیں اور نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو۔ بلکہ ہمارے نزدیک دونوں صحابہ کرام کا دور خلافت کا دور ہے۔ البتہ اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فضل و مقام میں بڑھ کر ہیں۔

پنج وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد

مع فضائل و مسائل

حافظ اکبر علی سلفی

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبی بعده،

اما بعد:

نماز اسلام کا ایک ستون ہے، تحفہ معراج ہے اور نبی کریم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دن و رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں اور یہ بشارت سنائی کہ اجر کے اعتبار سے یہ پچاس نمازوں کے برابر ہیں (صحیح بخاری: ۴۵۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۲) اور اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ یہ اعلان کروا دیا کہ: ”مَنْ حَافِظَ عَلَيْهَا، كَانَتْ لَهُ نُورًا، وَبُرْهَانًا، وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يَحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ، وَلَا بُرْهَانٌ، وَلَا نَجَاةٌ، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ، وَفِرْعَوْنَ، وَهَامَانَ، وَأَبِي بَنْدٍ خَلْفٍ“ (مسند الإمام أحمد بن حنبل بتحقيق شعيب الأرنؤوط ورفقائه: ۱۲۱/۱، ح: ۲۵۷۶، اسنادہ صحیح وحسنہ المحقق) ”جس نے نماز کی حفاظت کی، تو نماز اس کے لیے روز قیامت نور، دلیل اور باعث نجات ہوگی اور جس نے نماز کی حفاظت نہیں کی، تو اس کے لیے نہ نور ہوگا، نہ دلیل ہوگی اور نہ ہی نجات ہوگی اور وہ روز قیامت قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف (جیسے بد نصیبوں) کے ساتھ ہوگا۔“

❖ پنج وقتہ نمازوں کی سنن کی قسمیں:

پنج وقتہ نمازوں کی سنن کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سنن رواتب (یعنی سنن مؤکدہ): ان کی تعداد بارہ ہے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيَ لِلَّهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا، غَيْرَ فَرِيضَةٍ، إِلَّا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ“۔ (صحیح مسلم: ۷۲۸) ”جس مسلمان نے ہر دن

فرائض کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کے لئے بارہ رکعتیں نفل نماز پڑھی، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔“

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (مزید) فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ان رکعتوں کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، تب سے میں نے انہیں کبھی ترک نہیں کیا۔ (اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں بھی اس طرح عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین)

ان بارہ رکعتوں کی تفصیل سنن ترمذی میں یوں مذکور ہے:

”أَرْبَعٌ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ“ (بتحقيق احمد شاكر: ۲۷۲/۲، ح: ۴۱۴، واسنادہ حسن والحديث صحيح، صححه الالباني و الارنؤوط واحمد شاكر)

”چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں اس کے بعد، دو رکعتیں مغرب بعد، دو رکعتیں عشاء بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔“

(۲) سنن غیر رواتب (یعنی سنن غیر مؤکدہ): مذکورہ رکعتوں کے علاوہ جتنی رکعتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں، وہ سب کی سب سنن غیر مؤکدہ ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے: ”ظہر کے بعد دو رکعت، عصر سے پہلے چار رکعت، مغرب سے پہلے دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت۔“

❖ پنج وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد:

(۱) نماز فجر:

نماز فجر سے پہلے دو رکعت ہے۔ دلائل پیش خدمت ہیں:

❖ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مِنْهُ تَعَاهُدًا عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ“۔ (صحیح البخاری: ۱۱۶۹) ”نبی کریم ﷺ نوافل میں سے فجر کی دو رکعت کا جتنا اہتمام کرتے تھے

، اتنا کسی اور نفل نماز کا نہیں کرتے تھے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدْعُ أَزْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكَعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ“ (صحیح البخاری: ۱۱۸۲) ”نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔“

فضائل و مسائل:

(۱) سنت فجر کی فضیلت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رَكَعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا“ (صحیح مسلم: ۷۲۵) ”نماز فجر کی دو سنتیں، دنیا و ما فیہا (یعنی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ان سب) سے بہتر ہیں۔“

اس کے علاوہ اور بھی کئی حدیثیں نماز فجر کی سنتوں کی فضیلت کی بابت مروی ہیں لیکن وہ سب کی سب ضعیف و ناقابل حجت ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، راقم کا مضمون: ”پنج وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد اور ان کے فضائل و مسائل سے متعلق ضعیف و موضوع روایتیں۔“

(۲) سنت فجر کا حکم:

بعض سلف سے یہ بات منقول ہے کہ سنت فجر واجب ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ سنت فجر واجب نہیں بلکہ ایک تاکیدی سنت ہے۔

❁ امام ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ، المعروف بابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: ”وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى تَأْكِيدِهِمَا أَنَّهُ صَلَاةُ حِينَ نَامَ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ فِي سَفَرِهِ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَهَذَا غَايَةٌ فِي تَأْكِيدِهِمَا وَلَا أَعْلَمُ خِلَافًا بَيْنَ (عُلَمَاءِ) الْمُسْلِمِينَ فِي أَنَّ رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ مِنَ السُّنَنِ الْمُؤَكَّدَةِ“ (التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد بتحقيق مصطفى ومحمد: ۷۱/۲۲) ”سنت فجر کی تاکید کے دلائل میں سے (ایک دلیل یہ) ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو طلوع شمس کے بعد ادا کیا، جب آپ سفر میں نماز فجر سے سوئے رہ گئے تھے اور یہ حدیث سنت فجر کی تاکید میں انتہائی اہم ہے اور سنت فجر سنن مؤکدہ میں سے ہے، اس بات میں علماء کرام کے ما بین کوئی اختلاف نہیں جانتا ہوں۔“

❁ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (المتوفی

۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ”وَأَنَّهِنَّ سُنَّةٌ لَيْسَتْ وَاجِبَتَيْنِ وَبِهِ قَالَ جُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ وَحَكَى الْقَاضِي عِيَّاضُ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى وَجُوبَهُمَا وَالصَّوَابُ عَدَمُ الْوُجُوبِ لِقَوْلِهَا عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ مَعَ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُمُسُ صَلَوَاتٍ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ“۔ (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج:

۵/۳۶۱، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت) ”نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتیں سنت ہیں، واجب نہیں ہیں۔ جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں اور امام قاضی عیاض رحمہ اللہ نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے وجوب کی بات نقل کی ہے اور درست بات عدم وجوب ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی وجہ سے: ”عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ“ نبی کریم ﷺ کے اس قول کی موجودگی میں کہ: پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں، صحابی رسول نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا اس کے علاوہ اور کوئی نماز مجھ پر فرض ہے۔ تو آپ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفل نماز کا اہتمام کرلو۔“

❁ امام مجد الدین عبد السلام بن عبد اللہ، المعروف بابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) اپنی کتاب: ”منتقى الاخبار في الاحكام“ میں قمراراز ہیں: ”باب تأكيد ركعتي الفجر وتخفيف قراءتهما والضجعة والكلام بعدهما وقضائهما إذا فاتتا“ (نبيل الأوطار بتحقيق صبحي حسن الحلاق: ۶۵/۵) ”سنت فجر کی تاکید، ان میں ہلکی قرأت کرنے، ان کے بعد لیٹنے اور کلام کرنے اور جب وہ فوت ہو جائیں تو ان کی قضا کرنے کا باب۔“ پھر اس کے تحت ان روایتوں کو ذکر کیا ہے جو باب کو ثابت کرنے والی ہیں۔

❁ امام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں: ”والحديثان يدلان على أفضلية ركعتي الفجر وعلى استحباب التعاهد لهما وكراهة التفريط فيهما“ (نبيل الأوطار بتحقيق صبحي حسن الحلاق: ۶۷/۵، باب تأكيد ركعتي الفجر وتخفيف قراءتهما والضجعة والكلام بعدهما وقضائهما إذا فاتتا) ”دونوں حدیثیں (یعنی: (عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اور رَكَعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا) سنت فجر کی افضلیت، ان کو پابندی سے ادا کرنے کے استحباب اور ان میں کوتاہی کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔“

الإمام أحمد بن حنبل بتحقيق الارنؤوط و رفقاءه
:۳۸/۹، ح: ۲۲۹۲۱) ”رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا
جو (نماز فجر کی) اقامت ہونے کے بعد، دو رکعت (سنت فجر
(پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو
لوگ اس شخص کے ارد گرد جمع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: کیا صبح (یعنی نماز فجر) کی چار رکعت ہے؟ کیا صبح کی چار
رکعت ہے؟“

صحیح مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِرَجُلٍ يُصَلِّي، وَقَدْ أُقِيمَت صَلَاةُ الصُّبْحِ،
فَكَلَّمَهُ بِشَيْءٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ، فَلَمَّا انْصَرَفْنَا أَحْطْنَا نَقُولُ:
مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: قَالَ لِي:
يُوشِكُ أَنْ يُصَلِّيَ أَحَدُكُمْ الصُّبْحَ أَرْبَعًا“ ”رسول اللہ ﷺ
ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو نماز فجر کی اقامت ہونے
کے بعد نماز پڑھ رہا تھا، تو آپ نے اس سے کچھ کہا
(لیکن) ہمیں نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ نے کیا کہا۔ جب ہم نماز
سے فارغ ہو گئے تو ہم نے اس کو گھیر لیا اور پوچھا: رسول اللہ
ﷺ نے آپ سے کیا کہا؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ
ﷺ مجھ سے کہا: لگتا ہے تم میں سے کوئی صبح کی چار رکعت
پڑھنے لگا ہے۔“

✽ اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ
(المتوفى: ۲۵۶ھ) نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”باب:
إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ“۔ ”جب نماز کی
اقامت کہہ دی جائے، تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔“
✽ امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، المعروف بابن عبد البر رحمہ
اللہ (المتوفى: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

”قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَصَلَاتَانِ مَعًا، وَقَوْلُهُ لِهَذَا
الرَّجُلِ: أَيُّهُمَا صَلَاتُكَ، وَقَوْلُهُ فِي حَدِيثِ ابْنِ بَحِينَةَ:
أَتَصَلِّيهِمَا أَرْبَعًا، كُلُّ ذَلِكَ إِنْكَازٌ مِنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِذَلِكَ الْفِعْلِ فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ رَكْعَتِي
الفجر وَلَا شَيْئًا مِنَ التَّوَاتُلِ إِذَا كَانَتِ الْمَكْتُوبَةُ قَدْ
قَامَتْ“ (التمهيد لما في الموطأ من المعاني

(۳) سنت فجر کا وقت:

(۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”وَكَانَ إِذَا طَلَعَ
الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يُخْرِجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ
الْفَجْرِ“۔ (صحیح مسلم: ۴۳۰، وسنن ابی داؤد
بتحقيق الارنؤوط: ۳۳۸/۲، ح: ۱۲۵۱، واللفظ له) ”جب فجر
طلوع ہوتی، تو دو رکعت نماز پڑھتے، پھر (گھر سے) نکلتے اور
لوگوں کو نماز فجر پڑھاتے۔“

(۲) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ إِذَا أَضَاءَ لَهُ الْفَجْرُ، صَلَّى
رَكْعَتَيْنِ“ (صحیح مسلم: ۷۲۳) ”نبی کریم ﷺ فجر کی دو
رکعت سنت اس وقت ادا کرتے تھے، جب فجر روشن ہو جاتی۔“

✽ اس حدیث پر امام ابن خزمہ رحمہ اللہ (المتوفى: ۳۱۱ھ)
نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”بَابُ وَقْتِ رَكْعَتِي
الْفَجْرِ“ (صحیح ابن خزمہ بتحقيق الاعظمی
:۱۶۳/۲، قبل الحديث: ۱۱۱۱) ”نماز فجر کی دو رکعت
(سنت) کے وقت کا باب۔“

✽ امام ابو محمد علی بن احمد، المعروف بابن حزم رحمہ اللہ (المتوفى
:۴۵۶ھ) فرماتے ہیں: ”وَوَقْتُ رَكْعَتِي الْفَجْرِ مِنْ حِينَ
طُلُوعِ الْفَجْرِ الثَّانِي إِلَى أَنْ تُقَامَ صَلَاةُ الصُّبْحِ، هَذَا مَا لَا
خِلَافَ فِيهِ مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْأُمَّةِ“۔ (المحلى بالاثار بتحقيق
الدكتور عبد الغفار البنداري: ۱۳۶/۲، مسألة: ۳۰۷)
”سنت فجر کا وقت طلوع صبح صادق“ سے لیکر نماز فجر کی اقامت کہی
جانے تک ہے اور مسئلہ ہذا میں پوری امت میں سے کسی کا کوئی
اختلاف نہیں ہے۔“

(۴) کیا نماز فجر کی اقامت ہونے کے

بعد، سنت فجر ادا کرنا جائز ہے؟

جی نہیں! دلائل پیش خدمت ہیں:

(۱) سیدنا عبد اللہ بن مالک بن حنینہ رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا وَقَدْ
أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَثَ بِهِ النَّاسُ، وَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلْصُبْحُ أَرْبَعًا، أَلْصُّبْحُ أَرْبَعًا“ (صحیح البخاری: ۲۶۳، وصحیح مسلم: ۷۱۱، ومسنند

سالم: ۵۷/۶) ”یہ صحابی رسول کی نماز کا انکار ہے جو انہوں نے نماز فجر کی اقامت ختم ہونے کے بعد پڑھی۔ گویا کہ انہوں نے اقامت کے بعد صبح کی چار رکعت پڑھی۔“

(۲) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَلَمْ أَصَلِ الرَّكْعَتَيْنِ، فَرَأَيْتُ وَأَنَا أَصْلِيهِمَا، فَتَهَانِي فَجَذَبَنِي، وَقَالَ: "تُرِيدُ أَنْ تُصَلِّيَ لِلصُّبْحِ أَرْبَعًا؟ قِيلَ لِأَبِي عَامِرٍ يَغْنِي صَالِحُ بْنُ زُسَيْمٍ: النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ“ (صحیح ابن خزیمہ بتحقیق الاعظمی: ۱۶۹/۲، ح: ۱۱۲۴، واسنادہ حسن بلا ریب وصحہ ابن خزیمہ وابن حبان والحاکم والذہبی۔ وانظر ایضا: مسند الامام احمد بتحقیق الارنؤوط ورفقائہ: ۵/۳۲۷، ح: ۳۳۲۹، وحسنہ المحقق وفيه: فقيل لابن عباس: عن النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم) ”نماز (فجر) کی اقامت کہی دی گئی اور میں نے سنت فجر نہیں ادا کی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے سنت فجر پڑھتے دیکھا تو آپ نے مجھے منع کیا، پھر مجھے کھینچتے ہوئے فرمایا: تم صبح کی چار رکعت پڑھنا چاہتے ہو؟۔ ابو عامر صالح بن رستم سے کہا گیا: کیا یہ بات نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔“

اس حدیث پر امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”ذَكَرَ الزَّجَرِيُّ عَنْ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَرْءُ رَكْعَتِي الْفَجْرِ بَعْدَ أَنْ أُقِيمَتِ صَلَاةُ الْعَدَاةِ“۔ (صحیح ابن حبان بتحقیق الارنؤوط: ۲۲۱/۶، قبل الحدیث: ۲۳۶۹) ”نماز فجر کی اقامت ہونے کے بعد سنت فجر ادا کرنے والے شخص کو ڈانٹنے کا ذکر۔“

(فائدہ): ابو عامر صالح بن رستم الخزاز حسن الحدیث راوی ہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: ابو عامر صالح بن رستم الخزاز، جرح وتعدیل کے میزان پر۔

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ“ (صحیح مسلم: ۷۱۰) ”جب نماز کی اقامت کہہ

والأسانید بتحقیق مصطفیٰ و محمد: ۶۸/۲۲) ”نبی کریم ﷺ کا قول: أَصَلَاتَانِ مَعًا، اور آپ کا اس صحابی سے کہنا: أَيْتُهُمَا صَلَاتُكَ، اور ابن خسینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ کا قول: أَتُصَلِّيهِمَا أَرْبَعًا، یہ سب کے سب آپ کی جانب سے اس فعل کا انکار ہے (جو صحابہ کرام نے آپ کے سامنے کیا) لہذا کسی کے لیے، فرض نماز کی اقامت ہونے کے بعد مسجد میں سنت فجر اور کوئی بھی سنت ادا کرنا جائز نہیں ہے۔“

✽ امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ”فِيهَا النَّهْيُ الصَّرِيحُ عَنِ افْتِتَاحِ نَافِلَةٍ بَعْدَ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ سِوَاءَ كَانَتْ رَاتِبَةً كَسَنَةِ الصُّبْحِ وَالظُّهْرِ وَالْعَصْرِ أَوْ غَيْرَهَا وَهَذَا مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَالْجُمْهُورِ...“ قوله ﷺ أَتُصَلِّي الصُّبْحَ أَرْبَعًا هُوَ اسْتِفْهَامٌ إِنكَارٌ وَمَعْنَاهُ أَنَّهُ لَا يُشْرَعُ بَعْدَ الْإِقَامَةِ لِلصُّبْحِ إِلَّا الْفَرِيضَةُ فَإِذَا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ نَافِلَةً بَعْدَ الْإِقَامَةِ ثُمَّ صَلَّى مَعَهُمُ الْفَرِيضَةَ صَارَ فِي مَعْنَى مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ أَرْبَعًا لِأَنَّهُ صَلَّى بَعْدَ الْإِقَامَةِ أَرْبَعًا“۔ (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: ۵/۲۲۲، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت) ”اس حدیث میں نماز کی اقامت کے بعد نفل نماز شروع کرنے کی صریح ممانعت موجود ہے، چاہے وہ سنت مؤکدہ ہو مثلاً: سنت فجر، سنت ظہر اور سنت عصر یا اس کے علاوہ۔ یہ امام شافعی اور جمہور ائمہ کرام کا مذہب ہے... اور آپ ﷺ کا قول: ”أَتُصَلِّي الصُّبْحَ أَرْبَعًا“ یہ استفہام انکاری ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نماز فجر کی اقامت کے بعد صرف نماز فجر مشروع ہے۔ پس جب صحابی نے اقامت کے بعد دو رکعت نفل پڑھی پھر صحابہ کے ساتھ نماز فجر پڑھی تو وہ اس شخص کے حکم میں ہو گئے جس نے نماز فجر کی چار رکعت پڑھی کیونکہ انہوں نے اقامت کے بعد چار رکعت پڑھی۔“

✽ امام زین الدین عبد الرحمن بن احمد، المعروف بابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۵ھ) ”الصُّبْحُ أَرْبَعًا“ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”إنكار لصلاته وقد أقيمت صلاة الفجر، فكأنه صلى الصبح بعد الإقامة أربعا“۔ (فتح الباري لابن رجب بتحقیق صلاح بن

دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔“

✽ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں: ”وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ الرَّجُلُ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ، وَبِهِ يَقُولُ سَفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ“ (سنن الترمذی بتحقیق احمد شاکر: ۲۸۲/۲، تحت الحديث: ۳۲۱) ”بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو آدمی صرف فرض نماز ہی پڑھے گا۔ امام سفیان ثوری، امام ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔“

✽ امام ابو بکر محمد بن اسحاق، المعروف بابن خزيمة رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ) نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتِي الْفَجْرِ بَعْدَ الْقَامَةِ، ضِدَّ قَوْلِ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُمَا تُصَلِّيَانِ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي الْفَرِيضَةَ“ (صحیح ابن خزيمة بتحقیق الاعظمی: ۱۶۹/۲، قبل الحديث: ۱۱۲۳) ”اقامت کے بعد سنت فجر ادا کرنا منع ہے، برخلاف اس شخص کے جو کہتا ہے کہ: امام فرض نماز پڑھا رہا ہو تو سنت فجر پڑھی جاسکتی ہے۔“

✽ اس حدیث پر امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”ذِكْرُ الْخَبَرِ الْمَذْهُبِ قَوْلِ مَنْ زَعَمَ أَنَّ عَلَى الدَّخْلِ الْمَسْجِدَ بَعْدَ أَنْ أُقِيمَتِ صَلَاةُ الْغَدَاةِ أَنْ يَبْدَأَ بِرَكْعَتِي الْفَجْرِ وَإِنْ فَاتَتْهُ رَكْعَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْ فَرَضِهِ“ (صحیح ابن حبان بتحقیق الارنؤوط: ۲۲۲/۶، قبل الحديث: ۲۳۷۰) ”ان لوگوں کے قول کو باطل کر دینے والی حدیث کا ذکر، جنہوں نے کہا کہ: نماز فجر کی اقامت ختم ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہونے والا شخص سنت فجر پڑھے، گرچہ نماز فجر کی ایک رکعت چھوٹ جائے۔“

اور ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں: ”ذِكْرُ الْبَيَانِ بِأَنَّ حُكْمَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحُكْمَ غَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ فِي هَذَا الزَّجْرِ سَوَاءٌ“ (صحیح ابن حبان بتحقیق الارنؤوط: ۵۶۶/۵، قبل الحديث: ۲۱۹۳) ”اس بات کا بیان

کہ اس ڈانٹ میں نماز فجر اور دوسری نمازوں کا حکم ایک ہی ہے۔“

✽ امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: ”وَفِي هَذَا بَيَانٌ أَنَّهُ مَمْنُوعٌ مِنْ رَكْعَتِي الْفَجْرِ وَمِنْ غَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ“ (معالم السنن: ۲۷۴/۱، الناشر: المطبعة العلمية - حلب) ”اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ (فرض نماز کی اقامت کے بعد) سنت فجر اور دیگر (نفل) نمازیں پڑھنا ممنوع ہے سوائے فرض نماز کے۔“

✽ امام ابو محمد علی بن احمد، المعروف بابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں: ”فَمَنْ سَمِعَ إِقَامَةَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَعَلِمَ أَنَّهُ (إِنْ) اشْتَغَلَ بِرَكْعَتِي الْفَجْرِ فَاتَهُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَلَوْ التَّكْبِيرُ -: فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَشْتَغَلَ بِهِمَا؛ فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ تَعَالَى. وَإِنْ دَخَلَ فِي رَكْعَتِي الْفَجْرِ فَأَقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَقَدْ بَطَلَتِ الرَّكْعَتَانِ، وَلَا فَائِدَةَ لَهُ فِي أَنْ يَسْلِمَ مِنْهُمَا، وَلَوْ لَمْ يَبْقَ عَلَيْهِ مِنْهُمَا إِلَّا السَّلَامُ لَكِنْ يَدْخُلُ بِإِبْتِدَاءِ التَّكْبِيرِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ كَمَا هُوَ. فَإِذَا أَتَمَّ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَإِنْ شَاءَ رَكَعَهُمَا، وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَزِ كُفَّهُمَا، وَهَكَذَا يَفْعَلُ كُلُّ مَنْ دَخَلَ فِي نَافِلَةٍ، وَأَقِيمَتْ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْفَرِيضَةِ“ (المحلى بالاثار بتحقیق الدكتور عبد الغفار البنداری: ۱۳۶/۲ و ۱۳۷، المسئلة: ۳۰۸) ”جس نے نماز فجر کی اقامت سنی اور یہ جانتے ہوئے کہ اگر وہ سنت فجر پڑھتا ہے تو اس سے نماز فجر کا کچھ حصہ فوت ہو جائے گا، گرچہ تکبیر ہی کیوں نہ ہو، تو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ سنت فجر پڑھے، اگر پڑھے گا تو اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا۔ اور اگر سنت فجر میں داخل ہو گیا اور نماز فجر کی اقامت ختم ہو گئی تو سنت فجر باطل ہو جائے گی اور اس کے لیے کوئی فائدہ نہیں ہے کہ وہ سنت فجر کا اختتام کرے، گرچہ صرف سلام پھیرنا ہی باقی ہو بلکہ وہ جس حالت میں ہے اسی حالت میں نماز فجر میں تکبیر تحریمہ سے ہی داخل ہوگا۔ پھر جب وہ نماز فجر سے فارغ ہو جائے گا تو چاہے تو سنت فجر پڑھ لے اور چاہے تو نہ پڑھے اور اسی طرح ہر وہ شخص کرے گا جو فرض نماز کی اقامت ہونے کے بعد نفل نماز میں داخل ہو۔“

✽ امام ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ، المعروف بابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: ”قَدْ ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا

الْمَكْتُوبَةِ الَّتِي أُقِيمَتْ رَوَاهُ أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالْحُجَّةُ عِنْدَ التَّنَازُعِ السَّنَةُ فَمَنْ أَدْلَى بِهَا فَقَدْ أَفْلَحَ وَمَنْ اسْتَعْمَلَهَا فَقَدْ نَجَا وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ“ (التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد بتحقيق مصطفى و محمد: ۷۳/۲۲) ”نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے، تو فرض نماز جس کی اقامت کہی گئی ہے، اس کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔ اس حدیث کو ابوسلمہ اور عطاء بن یسار نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اختلاف کے وقت دلیل سنت نبوی ہے لہذا جس شخص نے سنت پیش نظر رکھی وہ فلاح پا گیا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ نجات پا گیا اور توفیق اللہ ہی کی جانب سے ہے۔“

✽ امام جمال الدین عبد الرحمن بن علی الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں: ”وهذا لانه قد صار الحكم لها، ولا ينبغي ان يتشاغل بالانقص مع حضور الاكمل، وقد قال ابو حنيفة: من كان خارج المسجد ولم يخش فوات الركوع في الركعة الثانية من الفجر صلى ركعتين، ثم دخل، والحديث يرد هذا“ (كشف المشكل من حديث الصحيحين بتحقيق الدكتور علي حسين البواب: ۵۵۱/۳، ج: ۲۰۱۹) ”یہ (یعنی فرض نماز کی اقامت کے بعد نفل نماز کی ممانعت) اس لئے ہے کیونکہ اب فرض نماز کا حکم ہو گیا ہے اور کامل تر چیز کی موجودگی میں کم تر چیز (یعنی نفل نماز) میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص مسجد سے باہر ہو اور نماز فجر کی دوسری رکعت کا رکوع فوت ہونے کا خدشہ نہ ہو تو سنت فجر پڑھ لے پھر نماز فجر میں داخل ہو۔ (پھر امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث اس قول کی تردید کرتی ہے۔“

✽ امام شمس الدین محمد بن ابی بکر، المعروف بابن قیم الجوزية رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: ”الْمِثَالُ الرَّابِعُ وَالْخَمْسُونَ: رَدُّ السَّنَةِ الصَّحِيحَةِ الصَّرِيحَةِ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ التَّنْفُلُ إِذَا أُقِيمَتْ صَلَاةُ الْفَرَضِ كَمَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ... فَرَدَّتْ هَذِهِ

السُّنَنُ كُلُّهَا بِمَارَوَاهُ حَجَّاجُ بْنُ نَصِيرٍ الْمَشْرُوكُ عَنْ عَبَادِ بْنِ كَثِيرٍ الْهَالِكِ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ... وَزَادَ: إِلَّا رَكْعَتِي الصُّبْحِ“ (إعلام الموقعين عن رب العالمين بتحقيق مشهور حسن: ۲۲۵/۴) ”چونویں مثال سنت صحیحہ صریحہ کے رد کی کہ جب فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو نماز نفل پڑھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔ پھر امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اور بھی کئی دلائل کو ذکر کیا پھر فرمایا: ان سنتوں کو رد کر دیا گیا اس روایت کی وجہ سے جسے حجاج بن نصیر متروک نے روایت کیا ہے، عباد بن کثیر ہالک سے، وہ لیس سے، وہ عطا سے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے سوائے سنت فجر کے۔“

✽ حافظ ابو الفضل احمد بن علی، المعروف ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: ”قوله: إلا المكتوبة، فيه منع التنفل بعد الشروع في إقامة الصلاة سواء كانت راتبة أم لا لأن المراد بالمكتوبة المفروضة“ (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۱۳۹/۲، تحت الحديث: ۶۶۳) ”نبی کریم ﷺ کا قول: ”إلا المكتوبة“ اس میں (فرض) نماز کی اقامت شروع ہونے کے بعد نفل نماز پڑھنے کی ممانعت موجود ہے چاہے وہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ کیونکہ ”المكتوبة“ سے مراد فرض نمازیں ہیں۔“

✽ محدث محمد عبد الرحمن المبارکپوری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں: ”وَالْحَدِيثُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الشَّرُوعُ فِي النَّافِلَةِ عِنْدَ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ بَيْنَ رَكْعَتِي الْفَجْرِ وَغَيْرِهِمَا“ (تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی: ۳۹۸/۲، تحت الحديث: ۱۹۷، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت) ”یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرض نماز کی اقامت کے وقت، سنت فجر اور اس کے علاوہ دیگر (نفلی) نمازوں کے درمیان بغیر کسی تفریق کے نفل نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے۔“

محترم قارئین! مذکورہ تمام احادیث سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ نماز فجر کی اقامت کے بعد یا جس نے اقامت فجر سن لی ہو، اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں سنت فجر پڑھے۔

(فائدہ نمبر: ۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الَّتِي أُقِيمَتْ لَهَا“ (شرح معانی الآثار بتحقيق محمدین: ۳۷۲/۱، ج: ۲، ۲۱۸۶، واسنادہ حسن) ”جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو (اس کے بعد) کوئی نماز نہیں ہوتی سوائے اس نماز کے جس کی اقامت کہی گئی ہے۔“

(فائدہ نمبر: ۲) بعض ائمہ کرام نے مذکورہ روایت کا معنی یہ بتلایا ہے کہ جب نماز کی اقامت شروع ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔

✽ حافظ ابو الفضل احمد بن علی، المعروف ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں: ”قوله إذا أقيمت أي إذا شرع في الإقامة وصرح بذلك محمد بن جحادة عن عمرو بن دينار فيما أخرجه ابن حبان بلفظ إذا أخذ المؤذن في الإقامة وقوله فلا صلاة أي صحيحة أو كاملة والتقدير الأول أولى لأنه أقرب إلى نفي الحقيقة“ (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۱۲۹/۲، تحت الحديث: ۶۲۳) ”نبی کریم ﷺ کا قول: ”إذا أقيمت“ یعنی جب مؤذن اقامت شروع کر دے اور اس کی صراحت ابن حبان کی روایت میں ہے جو بطریق محمد بن جحادة، عن عمرو بن دينار مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ”إذا أخذ المؤذن في الإقامة“ ”جب مؤذن اقامت شروع کر دے اور آپ ﷺ کا قول: ”فلا صلاة“ یعنی کوئی نماز صحیح نہیں ہوگی یا کامل نہیں ہوگی، پہلا معنی اولیٰ ہے کیونکہ وہ ”لا“ کے حقیقی معنی (نفي حقیقت کے قریب تر ہے)۔“

✽ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۶ھ) نے مذکورہ حدیث پر ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن“ (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: ۲۲۱/۵، الناشر: دار إحياء التراث العربي)۔

بیروت) ”مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے بعد نفل نماز شروع کرنا مکروہ ہے۔“

(فائدہ نمبر: ۳) بعض حضرات نے مذکورہ روایت کو موقوف قرار دینے کی سعی لا حاصل کی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: حدیث: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ، تحقیق و تخریج۔

(فائدہ نمبر: ۵) مذکورہ تمام روایتوں پر چند اعتراضات کئے گئے ہیں ان سب کے جوابات کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: ”سنت فجر کی صحیح احادیث پر امام طحاوی رحمہ اللہ وغیرہ کے اعتراضات کا مسکت جواب۔“

(فائدہ نمبر: ۵) مذکورہ مرفوع روایتوں کے خلاف بعض حضرات چند موقوف روایتیں بھی پیش کرتے ہیں ان کی حقیقت اور جواب کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: ”سنت فجر اور صحابہ کرام۔“

تنبیہ بلغ: السنن الکبریٰ للبیہقی میں ”إِلَّا رَكْعَتِي الصُّبْحِ“ کا اضافہ ہے لیکن وہ باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: راقم کا مضمون: حدیث: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ إِلَّا رَكْعَتِي الصُّبْحِ، تحقیق و تشریح۔

(ایک ضعیف روایت): سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”كَانَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْإِقَامَةِ“ (سنن ابن ماجہ بتحقيق الارنؤوط ورفقائه: ۲۲۸/۲، ج: ۱، ۱۱۴۷، واسنادہ ضعیف جدا وضعفه المحقق واللبانی) ”نبی کریم ﷺ اقامت کے وقت دو رکعت پڑھتے تھے۔“

تفصیل کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: ”بیچ وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد اور ان کے فضائل و مسائل سے متعلق ضعیف و موضوع روایتیں۔“

(۵) کیا مسجد میں داخل ہونے والا سنت

فجر ادا کرے گا جبکہ نماز فجر ہو رہی ہو؟
جی نہیں! جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسرج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ، فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ (فِي

✽ امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”وَهَذَا يَزِدُّ قَوْلَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ إِنَّمَا أَنْكَرَهُ، لَا تَصَالِيهِ بِالْصُّفُوفِ فِي حَالَةِ اشْتِغَالِهِ بِالرَّكَعَتَيْنِ، أَوْ لِأَنَّهُ لَمْ يَجْعَلْ بَيْنَ النَّفْلِ وَالْفَرْضِ فَضْلًا بِتَقْدِيمِ أَوْ تَكَلُّمٍ؛ لِأَنَّ هَذَا أَخْبَرَ أَنَّهُ صَلَّاهُمَا فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، ثُمَّ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِذَا ثَبَتَ الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَا حُجَّةَ فِي فِعْلِ أَحَدٍ بَعْدَهُ“ (معرفة السنن والآثار بتحقيق عبد المعطي أمين: ۲۰/۴، تحت الحديث: ۵۳۳۱) ”یہ حدیث ان لوگوں کے قول کی تردید کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابی رسول پر اس لئے نکیر کی کیوں کہ وہ صفوں سے متصل ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے یا انہوں نے نفل اور فرض نماز کے درمیان کلام کے ذریعہ یا چند قدم (چل کر کے نماز میں شامل ہونے) کے ذریعہ فصل نہیں کیا۔ (اور یہ حدیث تردید اس طرح سے کر رہی ہے کہ) اس نے باخبر کیا کہ صحابی رسول نے سنت فجر کو مسجد کے ایک گوشے میں، صف میں شامل ہونے سے پہلے ادا کیا، پھر نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز فجر میں داخل ہوئے۔ اور جب حدیث نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو گئی تو اس کے بعد کسی کے فعل میں کوئی حجت نہیں ہے۔“

✽ امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۶ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يَصْلِي بَعْدَ الْقَامَةِ نَافِلَةً وَإِنْ كَانَ يَذْرُكُ الصَّلَاةَ مَعَ الْإِمَامِ وَرَدَّ عَلَى مَنْ قَالَ إِنَّ عِلْمَ أَنَّهُ يَذْرُكُ الرُّكْعَةَ الْأُولَى أَوْ الثَّانِيَةَ يَصْلِي النَّافِلَةَ“ (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للنووي: ۲۴۴/۵، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت) ”اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مصلی اقامت کے بعد نفل نماز نہیں پڑھے گا، گرچہ وہ امام کے ساتھ نماز کو پالے گا اور ان لوگوں کا رد بھی ہے جو کہتے ہیں کہ: مصلی کو علم ہو کہ وہ پہلی یا دوسری رکعت پالے گا تو نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔“

(فائدہ): اس حدیث کی کچھ تاویل کی گئی ہے اس کے جواب کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: ”سنت فجر کی صحیح احادیث پر امام طحاوی رحمہ اللہ وغیرہ کے اعتراضات کا مسکت جواب۔“

ان شاء اللہ جاری رہے گا۔۔۔

جَانِبِ الْمَسْجِدِ)، ثُمَّ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: يَا فَلَانُ!، أَيُّهُمَا صَلَّاتُكَ؟ الَّتِي صَلَّيْتُ وَحْدَكَ، أَوِ الَّتِي صَلَّيْتُ مَعَنَا؟“ (صحیح مسلم: ۷۱۲، والزيادة له و سنن ابو داود بتحقيق الارنؤوط و رفقاءه: ۴۴۶/۲، ح: ۲۶۵، او اللفظة) ”ایک شخص آیا اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، اس نے دو رکعتیں (فجر کی سنت) مسجد کے ایک گوشے میں پڑھی، پھر نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو (اس شخص سے) پوچھا: اے فلاں! تمہاری (فرض) نماز کون سی ہے؟ وہ جو تم نے اکیلے پڑھی یا وہ جو ہمارے ساتھ پڑھی؟“

✽ امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۸ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”فِي هَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ إِذَا صَادَفَ الْإِمَامَ فِي الْفَرِيضَةِ لَمْ يَشْتَغَلْ بِرُكْعَتِي الْفَجْرِ وَتَرَكَهُمَا إِلَى أَنْ يَقْضِيَهُمَا بَعْدَ الصَّلَاةِ. وَقَوْلُهُ: "أَيُّهُمَا صَلَّاتُكَ" مَسْأَلَةٌ إِنكَارٍ يَرِيدُ بِذَلِكَ تَبْكِيَّتَهُ عَلَى فَعْلِهِ. وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ الْوَقْتُ يَتَسَعُ لِلْفِرَاحِ مِنْهُمَا قَبْلَ خُرُوجِ الْإِمَامِ مِنْ صَلَاتِهِ لِأَنَّ قَوْلَهُ: "أَوِ الَّتِي صَلَّيْتُ مَعَنَا" يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ قَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ فِرَاحِهِ مِنَ الرُّكْعَتَيْنِ“ (معالم السنن: ۲۷۴/۱، الناشر: المطبعة العلمية - حلب) ”اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جب امام فرض نماز شروع کر دے تو آدمی سنت فجر میں مشغول نہیں ہوگا بلکہ ان کو ترک کر دیگا اور نماز فجر کے بعد ان کی قضا کرے گا اور آپ ﷺ کا قول: ”أَيُّهُمَا صَلَّاتُكَ“ یہ سوال انکاری ہے، آپ اس کے ذریعہ اس فعل پر سرزنش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلیل موجود ہے کہ جب امام فرض نماز شروع کر دے تو سنت فجر میں مشغول ہونا جائز نہیں ہے گرچہ وقت اتنا وسیع ہو کہ امام کے اپنی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی سنت فجر سے فارغ ہو جایا جائے کیونکہ آپ ﷺ کا قول: ”أَوِ الَّتِي صَلَّيْتُ مَعَنَا“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابی رسول نے سنت فجر سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز فجر پائی تھی۔“

ملت اسلامیہ ہند اور اس کے چند داخلی مسائل

رفیق احمد رئیس سلفی (علی گڑھ)

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس وقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ ملکی سیاست میں ایسے عناصر ابھر کر سامنے آ گئے ہیں اور ان کا زور دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے جو اس کثیر مذہبی، لسانی اور ثقافتی ملک کو اپنے مخصوص رنگ اور کلچر کا ملک بنانے پر کمر بستہ ہیں۔ ایک خاص قوم اور تہذیب کے خلاف پون صدی سے جو تحریک چلائی جا رہی تھی، اب اسی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ملک کی یہ صورت حال صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ یہاں کے تمام کمزور اور پس ماندہ طبقات کے لیے انتہائی تشویشناک ہے۔ علوم و فنون کی وسعت اور روشن خیالی کے تمام تر دعوؤں کے باوجود ابھی تک یہ ملک ذات برادری اور اونچ نیچ کی تفریق سے آزاد نہیں ہو سکا ہے بلکہ دور قدیم کی کئی ایک خرافات اور طلسمات کو علمی رنگ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کو استعمال کر کے ماضی کی بھینک تصویر کو خوبصورت اور پُرکشش بنانے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ ملک میں غربت و افلاس کی سطح بڑھتی جا رہی ہے، ظلم و نا انصافی کے خلاف آوازیں مدہم ہونے لگی ہیں اور سماج میں نفرت و عداوت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ صحت عامہ کے شعبے شدید اخلاقی بحران کا شکار ہیں اور انتظام و انصرام کے محکمے کرپشن اور بدعنوانی کی علامت بن چکے ہیں۔ نصف صدی گزر گئی، ابھی تک ہمارا ملک عدل و مساوات کی اس منزل تک نہیں پہنچ سکا ہے، جہاں اسے ہونا چاہئے۔ آج بھی زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم سماج کو ذات پات اور مذہب و مسلک کی سیاست میں الجھا کر رکھا گیا ہے۔ ملک کی حکمران جماعتوں کو اس کی فکر نہیں ہے کہ تعلیم، صحت، وسائل آمد و رفت اور روزی روٹی کے تعلق سے ملک کو بے نیاز کر دیں اور اس کے لیے مضبوط منصوبہ بندی کریں، اس کے برعکس وہ ہندو مسلم اور مندر مسجد کے تنازعات کو ہوا دے کر اقتدار تک پہنچتی اور حکومت کرتی ہیں۔ نوٹ بندی کے حالیہ قضیہ میں

تشویشناک بات یہ ہے کہ غریب عوام بینکوں کے سامنے قطار میں کھڑی ہے اور لاکھوں کروڑوں روپے کی جدید کرنسی پولس کے ذریعے مارے جانے والے چھاپوں میں برآمد ہو رہی ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ اتنی بڑی رقم کسی بینک سے کیسے نکلی، جہاں یہ نوٹ چھاپے جا رہے ہیں، وہاں سے کون ان کی دلائی کر رہا ہے؟ دانستہ طور پر جڑوں کو تحفظ فراہم کیا جا رہا ہے اور چھوٹی شاخیں اور پیتیاں کاٹی اور توڑی جا رہی ہیں۔ جڑوں کو کھاد پانی ملتا رہا تو شاخوں اور پتیوں کے دوبارہ ہرا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ ملک کا باشعور طبقہ اس حقیقت کو سمجھتا ہے، میڈیا کے لوگ بھی اس سے واقف ہیں اور انتظام و انصرام سے وابستہ اعلیٰ سرکاری آفیسر بھی اس سے آشنا ہیں لیکن مگر مجھوں پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کوئی نہیں کر رہا ہے۔ ملک کا کسان قرض اور بھوک کے تلے دب کر خود کشی کر رہا ہے اور کروڑوں روپیہ لے کر بعض لوگ ملک سے بھاگ جاتے ہیں اور ہم انھیں واپس نہیں لاپاتے۔ ملک کی اصلی اور صحیح تصویر دیکھنی ہو تو کسی دور دراز گاؤں میں چلے جائیں اور علاقے کے چھوٹے بڑے تعلیمی ادارے اور سول ہسپتال دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے ملک نے کتنی ترقی کی ہے اور ملکی عوام کے ساتھ کتنا انصاف کیا جا رہا ہے۔ قساوت قلبی اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ کسی مظلوم کی ایف آئی آر بھی بغیر پیسوں کے نہیں لکھی جاتی، اخبارات میں ہم روزانہ ایسی خبریں پڑھتے ہیں کہ اعلیٰ پولس آفیسرز تک جب مظلوم پہنچا تب اس کی فریاد رجسٹر میں قلم بند کی گئی ہے لیکن یہ خبر پڑھنے اور سننے کے لیے آنکھیں ترس جاتی ہیں کہ فریاد نہ سننے والوں کے خلاف کارروائی کیا کی گئی؟ لا اینڈ آرڈر کی ذمہ دار مقامی یونٹ نے اپنا فرض کیوں نہیں ادا کیا؟ اگر کسی مگر مجھ نے ایسا نہیں کرنے دیا تو اس کو غذا فراہم کرنے والے ملک کے عوام کے تئیں مخلص کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ انھیں اپنے سینوں اور شانوں پر ملک کے لیے باعث صدا افتخار تمنغے سجانے کا حق کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے؟

ملک کی یہ وہ تصویر ہے جس پر بہت زیادہ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو یہاں آباد

کرنے کی صلاحیتوں سے نوازا ہے تو اللہ کے لیے میدان میں آئیں اور اس ملت کے لیے کوئی صحیح رخ متعین کرنے میں اس کی مدد کریں۔ یہ آپ کا نہ صرف اس ملت پر احسان ہوگا بلکہ شاید اسی ذریعے سے کسی حد تک اس فرض سے بھی آپ عہدہ برآ ہو سکیں جو آپ پر ایک مسلمان کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے۔

دین اسلام کی صحیح پوزیشن کی وضاحت

قرآن اور سنت، سیرت نبوی اور اسلامی تاریخ پر گہری اور مجتہدانہ نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام اللہ کا آخری دین ہے اور دنیا کے تمام لوگوں کی ہدایت کا ضامن ہے۔ قرآن کا موضوع انسان ہے۔ دنیا میں انسان جن مسائل سے دوچار ہوتا ہے، ان کے بارے میں قرآن اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کی زندگی کی ترجیحات اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ قرآن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ نے اس دنیا کے لیے ایک نظام بنادیا ہے، اسی نظام کے تحت یہاں انقلابات آتے اور تغیرات کا ظہور ہوتا ہے۔ اسلام اور اس کی تعلیمات صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ اسلام نفرت کے لیے نہیں بلکہ محبت کا پیغام عام کرنے کے لیے آیا ہے۔ وہ انسان کو اندر سے بھی بدلتا ہے اور باہر سے بھی۔ قرآن اور حدیث کی کتابیں، ان کے متون و شروح کا مطالعہ جس طرح ایک مسلمان کرتا ہے، اسی طرح ایک غیر مسلم بھی کر سکتا ہے۔ دینی مجالس میں جس طرح ایک مسلمان شریک ہوتا ہے، اسی طرح ایک غیر مسلم بھی شریک ہو سکتا ہے۔ ایک بھوکا، ننگا، بیمار، معذور اور پریشان حال مسلمان جس طرح ہماری مدد اور ہم دردی کا مستحق ہے، اسی طرح ایک غیر مسلم بھی ہماری توجہ کا حق دار ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کی جان، مال اور عزت کو تکریم و تحفظ حاصل ہے، اسی طرح ایک غیر مسلم کی جان، اس کا مال اور اس کی عزت قابل تکریم اور قابل تحفظ ہے۔ بعض ہوشیار لوگوں نے دین اسلام کو ایک حریف اور انسان دشمن کی حیثیت سے عوام کے سامنے پیش کیا ہے، ضرورت ہے کہ اسلام کی صحیح پوزیشن سے ملک اور اہل ملک کو آگاہ کیا جائے۔ اس کے لیے صرف نظریاتی باتیں کافی نہیں ہو سکتیں بلکہ مسلم سماج کو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بنانا ہوگا۔ اپنی تحریروں اور تقریروں میں نمایاں طور پر ان باتوں کو جگہ دینی ہوگی جن سے مسلم سماج کی تصویر بہتر ہو سکے۔ قتل و خون ریزی، لوٹ مار، چوری ڈکیتی، رشوت کالا بازاری، ظلم و زیادتی اور بد اخلاقی اور بد عملی میں ملوث مسلم سماج اسلام پر دھبہ ہے، اسلام کا نمائندہ نہیں۔ آج بہت سے داعی ایک عجیب کشمکش کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دعوت تو صرف غیر مسلموں کو دینی ہے، مسلمانوں کی اصلاح ہوتی ہے اور اسی کشمکش کا نتیجہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں کو اپنی دعوت کا اصل مخاطب بناتے ہیں۔ قیل و قال اور بلا وجہ

ہے، ان ملکی مسائل کے تعلق سے اس کا رویہ کیا ہے؟ کیا اس نے کبھی یہ سوچا کہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں اور جس کی تعمیر و ترقی پر ہماری اپنی تعمیر و ترقی موقوف ہے، اس کے لیے ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔ دینی مجالس اور جلسوں میں ہم اپنی عوام کو کیا بتاتے اور سکھاتے ہیں۔ اسلام نے جس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے، وہ کیا ہے؟ ہماری دینی جماعتوں کی یہ تصویر کس قدر ”خوبصورت“ ہے کہ ان سے ملک اور اہل ملک کو کوئی پریشانی نہیں ہے کیوں کہ یہ زمین کے نیچے کی بات کرتی ہیں یا آسمان کے اوپر کی باتیں ان کی ترجیح ہیں۔ زمین پر اٹھنے یا پیدا ہونے والے مسائل سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ آپ ذرا سوچیں! اللہ کی مخلوق گھٹ گھٹ کر مر رہی ہے، اس کی زندگی کے وسائل پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا ہے، اس کی فریاد پر کان دھرنے والا کوئی نہیں اور اسی اللہ کی کتاب اور اسی اللہ کے رسول کی تعلیمات ان مسائل سے کوئی واسطہ نہیں رکھتیں؟ اگر یہی بات ہے تو پھر کیا دل چسپی ہو سکتی ہے کسی انسان کی اس اسلام سے جو سماج اور انسان کے بنیادی مسائل حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اس کے نمائندے ان موضوعات پر گفتگو کرنا بھی اسلام کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہمارا یہ رویہ دین اسلام سے بغاوت ہے، اس کی غلط تعبیر ہے اور اجازت دیں تو یہ کہا جائے گا کہ واضح طور پر دین اسلام کی تحریف ہے۔

اللہ کا شکر و احسان اور اس کا سب سے بڑا کرم ہے کہ یہاں اس کے محبوب دین سے نسبت رکھنے والے مسلمان موجود ہیں اور جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور کیے گئے ہیں کہ دنیا کا نظام خالق کائنات کی مرضی کے مطابق چلائیں، اگر وہ کسی وجہ سے ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے تو یہ فریضہ ان پر باقی رہتا ہے کہ اس دین حق کی روشنی ہر جگہ موجود رہے تاکہ کوئی مسافر اگر صحیح راستہ تلاش کرنا چاہے تو اسے اپنی منزل مل جائے۔ انسان اپنے بنائے ہوئے سماجی ڈھانچے کو ناکام ہوتا دیکھے تو اسے دین حق کا سماج صاف نظر آ جائے۔ وہ اپنے وضع کردہ قوانین کو کارگہ حیات میں فیل ہوتا دیکھے تو اسے یہ دکھائی دے کہ دین حق کے قوانین یہ ہیں جو کبھی فیل نہیں ہوتے۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ مسلمان اس ملک میں اپنا واجبی کردار کیوں نہیں ادا کر پارہا ہے؟ اس کے اسباب کیا ہیں؟ ذیل کی سطور میں وطن عزیز کے پس منظر میں ملت کے چند داخلی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ مسائل اور بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جن مسائل کو یہاں ابھارا گیا ہے، بعض دوسرے مسائل ان سے زیادہ اہم ہوں۔ راقم سطور کو اپنی کسی تحریر یا فکر پر کبھی اصرار نہیں رہا، سوچنے اور اپنی رائے ظاہر کرنے کی آزادی ہر شخص کو ہے۔ بہتر ہوگا اگر ہمارے اس کارلس اس موضوع پر اپنے افکار و تجربات سے ملت کو مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں۔ اللہ نے اگر سوچنے سمجھنے کی طاقت دی ہے اور اپنا مافی الضمیر ادا

کرتا ہے۔ انسانوں نے جو علوم و فنون ایجاد کیے ہیں اور جن سے ہمیں دنیا کو سمجھنے اور اسے برتنے کا سلیقہ آتا ہے، وہ سب اہم ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا انسانیت کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ پدرم سلطان بود کا نعرہ لگانے کی جب ضرورت ہوتی ہے تو ہم اسلام کے دور عروج کے ان افراد کا نام فخر سے لیتے ہیں جنہوں نے اندلس میں علم و حکمت کے چراغ اس وقت روشن کیے تھے جب سارا یورپ جہالت اور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اہل اسلام کی جس میراث پر موجودہ سائنس اور ایجادات کا تاج محل کھڑا ہے ہم اس سے کوسوں دور ہیں۔ یاد رکھئے! اس ملک میں ہماری عزت اور اہمیت کا تمام تر دار و مدار علم پر ہے۔ دین کی بنیادی اور اساسی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری اور سائنسی علوم و فنون میں ہماری برابر کی حصہ داری ہی ہماری بقا کی ضمانت فراہم کر سکتی ہے۔ مادی نقطہ نظر رکھنے والے اس وقت تعلیم کو ایک تجارت اور کاروبار بنا چکے ہیں، میدان خالی ہے، مسلمان آگے آئیں اور عصری تعلیمی اداروں کا قیام کر کے یہ ثابت کریں کہ اسلام انسانیت کا مذہب ہے اور انسانیت کا بھی خواہ ہے۔ علوم شرعیہ کے لیے جو ادارے قائم ہیں، ان اداروں سے کم از کم ہائی اسکول تک کی تعلیم کا سلسلہ لازمی طور پر جوڑا جائے اور اپنے اسی پسندیدہ روایتی نظام جس میں اخلاق اور قناعت پسندی کا بول بالا ہے، کے تحت عصری تعلیمی ادارے چلا کر اہل ملک کو دکھایا جائے کہ مادیت سے ہٹ کر بھی ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے افراد تیار کیے جاسکتے ہیں۔ الحمد للہ ملک کے کئی ایک حصوں میں مسلمانوں نے آگے بڑھ کر یہ کام اپنے ہاتھوں میں لیا ہے اور اس کے نتائج بھی حوصلہ افزا ہیں، ضرورت ہے کہ ملک کے گوشے گوشے تک اس بابرکت سلسلے کو دراز کیا جائے۔ مسلمانوں کو یہ بات بھی بتانے کی ہے کہ غربت و افلاس کا بہانہ بنا کر وہ اپنی نسلوں کو تعلیم سے محروم نہ کریں، اگر اس ملک میں اپنی آنے والی نسلوں کو عزت سے ہم کنار کرنا ہے تو ہماری ایک دو نسلوں کو قربانی لازمی طور پر دینی ہوگی۔ اپنا پیٹ کاٹ کر اور موٹا جھوٹا پہن کر جن والدین نے اپنے بچوں کو تعلیم دلائی، آج ان کے بچے آسمان کے چاند ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں اور حسب توفیق الہی ملک و ملت کا نام روشن کر رہے ہیں۔

از قلم اکرام الدین

آداب بندگی

”فما ظنکم برب العالمین“

قارئین کرام: اللہ سبحانہ و تعالیٰ حد درجہ اور بے انتہا اپنی مخلوقات کے اوپر مہربان ہے کبھی بھی اللہ اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا جب جب بندہ رب کائنات کی طرف پلٹتا ہے صدق دل سے توبہ و استغفار کرتا ہے اپنی اصلاح کی فکر کرتا ہے تو اللہ ایسے

کی بحث کی بجائے ایسے مخلصین سے یہ درخواست کی جاسکتی ہے کہ آپ جس غیر مسلم کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں، اس کے اس سوال کا بھی جواب تیار رکھئے کہ بھائی صاحب! آپ جس اسلام کی باتیں پیش کر رہے ہیں، وہ تو مسلمانوں میں دور دور تک نظر نہیں آتیں۔ ہمارے لیے دونوں کام اہم ہیں۔ صورت حال اس قدر خراب ہے کہ کسی کو اہم اور کسی کو غیر اہم بتا کر ہم دونوں میں مقدم و موخر کرنے کا بھی کوئی فارمولہ نہیں اپنا سکتے۔ دین اسلام کی اساسیات سے مسلمانوں کا واقف ہونا ضروری ہے۔ اسلام کے حلال و حرام پر انھیں کاربند ہونے کی ضرورت ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان اخلاقی اصولوں کو اپنا نا بھی لازمی ہے جن کی تعلیم اسلام دیتا ہے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم ایک ایسے دینی ماحول میں زندگی گزارتے ہیں جس میں اساسیات اسلام، حلال و حرام، اخلاق اور بد اخلاقی تو شاید کبھی زیر بحث آتی ہو، مسلکی امتیازات سب سے پہلے زیر غور اور زیر التفات آتے ہیں۔ مسلمانوں کے اختلافات کے پیچھے ایک بڑا سبب وہ فقہی اصول بھی ہیں جو احکام دین کی تفہیم یا نصوص کتاب و سنت سے مسائل کی تخریج و استنباط کے لیے علمائے اسلام نے متعین کیے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے دو بڑے علماء شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس موضوع پر بڑا اہم علمی کام کیا ہے اور اتفاق دیکھئے کہ ان دونوں اماموں نے اپنے دور میں ملت کی مسیحائی کا فریضہ انجام دیا ہے اور امت کے انتشار و افتراق اور اس کے بھیاں تک انجام کو دیکھا ہے اور اس درد کو محسوس کیا ہے جو ایسی صورت حال میں ایک مخلص مسلمان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

تعلیم پر خصوصی اور بھرپور توجہ

شاید یہ بتانا یہاں غیر ضروری ہے کہ اسلام نے تعلیم کو کیا اہمیت دی ہے اور اس کے بارے میں اس کا نقطہ نظر کیا ہے۔ قارئین ذی اکرام ان باتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس اسلام نے اپنے سفر کا آغاز علم سے کیا تھا اور جس کی پہلی ربانی تعلیم میں تعلیم، تعلیم، علم اور قلم کا حوالہ موجود ہے، اس اسلام پر چلنے والا بے علم کیسے رہ سکتا ہے اور تعلیم سے دوری اسے کیوں کر برداشت ہو سکتی ہے لیکن دنیا کا یہ کتنا بڑا عجوبہ ہے کہ اسی اسلام کے ماننے والوں کی اکثریت آج اس ملک میں تعلیم سے غافل ہے اور جہالت و ناخواندگی اس کی اولین شناخت بن گئی ہے۔ اسلام اس دنیا کا مذہب ہے، دنیا کا نظام اور انسان کی تغیر پذیر زندگی اس کے بنیادی اہداف ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ صحت عامہ اور وسائل حیات کو اپنے موضوع سے خارج کر دے۔ اسلام کے لیے جس قدر اہم ایک نماز پڑھانے والا امام ہے، اسی قدر اہم ایک ڈاکٹر اور طبیب بھی ہے جو زندگی جیسی اللہ کی عطا کردہ نعمت کو اللہ کے فضل و کرم سے پرسکون بناتا اور تکلیفوں سے دور

بندوں کو، بلکہ سالہا سال رب کائنات سے بغاوت و سرکشی اور کفر و عناد کرنے والوں کو بھی اپنے قریب کر لیتا ہے اور ان کی سینات کو حسنات میں تبدیل کر دیتا ہے اور سولوگوں کے قاتل کے گناہوں کو بھی درگزر کر کے جنت کا مستحق بنا دیتا ہے چونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے: ”إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي“ (صحیح البخاری: ۷۴۰۴) لہذا ایسی بے مثال ذات اور باکمال پروردگار سے ہمیشہ حسن ظن، اچھی امید اور توقع رکھتے ہوئے، ایمان پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ”المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف“ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳) کا مصداق بنیں اور بڑی سی بڑی مصیبت کیوں نہ آجائے رب کی ذات سے بدگمان قطعاً نہ ہوں کیونکہ آسانیاں اور پریشانیاں من جانب اللہ ہوا کرتی ہیں اور ان دونوں حالات میں ایک خاص حکمت پوشیدہ ہوتی ہیں جو رب ہی جانتا ہے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ایسے دشوار کن اور کٹھن احوال میں رب کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے رب سے نعمل البذل کا سوال کریں ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَإِنْ تُصِيبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾ (سورۃ النساء: ۷۸) ترجمہ: ”اور اگر انہیں یعنی منافقین کو کوئی بھلائی ملتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ اے محمد - یہ تیری طرف سے ہے، اے نبی انہیں کہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنت میں لوگوں کو رب کائنات سے حسن ظن رکھنے کی رغبت دلائی گئی ہے اور بدگمانی کو نفاق کی علامت کہا گیا ہے اور دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ اچھا گمان ہے چونکہ جب انسان عرش والے رحیم و کریم سے بدظن ہو جاتا ہے تو پھر وہ بری طرح بکھر جاتا ہے اور گناہ و مایوسیاں ایسے فرد کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ”ما يزال المسروق منه يتظنى حتى يصير اعظم من السارق“ (صحیح الادب المفرد للبخاری: ۹۷۹، وقال الالبانی صحیح الاسناد) جس کی

چیز چوری سے جاتی ہے وہ بدگمانیاں کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ گناہ میں خود چور سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں جو تربیت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم رب کائنات سے حسن ظن رکھیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب کائنات کے سلسلے میں حسن ظن رکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا: ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الصافات: ۸۷) اے میری قوم کے باشندوں تمہارا اس رب العالمین کے متعلق کیا گمان ہے جو پوری کائنات کا مالک ہے اور تمام جہانوں کے ایک ایک ذرے کی پرورش کر رہا ہے اور ہادی دین مبین، معلم کتاب مبین امام الانبیاء والمرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب کو رب سے متعلق حسن ظن رکھنے کی تعلیم دیتے تھے حتیٰ کہ موت کے وقت بھی اللہ سے اچھا گمان رکھنے کا حکم دیا۔

عن جابر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ”قبل وفاته بثلاث يقول: لا يموتن احدكم الا وهو يحسن بالله الظن“ (صحیح مسلم: ۲۸۷۷) حضرت جابر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم کو آپ کی وفات سے تین دن پہلے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”تم میں سے ہر شخص کو اسی حالت پر موت آئے کہ وہ اللہ کے متعلق حسن ظن رکھتا ہو۔“

قارئین کرام: آخر کیوں بار بار کتاب و سنت میں رب کریم سے متعلق حسن ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے تو چونکہ انسان جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے سوء ظن رکھنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ بھی اس کے وہم و گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرنا شروع کر دیتا ہے اور کل قیامت کے دن اللہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا، اور اگر اچھی امید اور حسن ظن رکھتے ہوئے اس دنیا سے گیا ہوگا تو اس کے لئے سعادت ہی سعادت ہوگی اور اگر بدگمانی سے اس کا دل پر ہوگا تو روز قیامت اس کے لئے رسوائی ہی رسوائی ہوگی اور کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ آپ ذیل میں آنے والی احادیث مبارکہ سے اندازہ کر سکتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: ”عبدی أنا عند ظنك بي وأنا معك اذا ذكرتني“ (صحیح الجامع الصغیر: ۳۳۲۵) ”اے میرے بندے میں تیرے وہم و گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں جب تو مجھے یاد کرتا ہے۔“

ایک اور حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ

ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ تو حضرت ہاجر نے کہا: ”اذن لا یضیعنا“ تب وہ ہمیں برباد نہیں کرے گا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: (صحیح البخاری: ۳۳۶۳)

معزز قارئین: ہم قربان جائیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نیک اور مخلص والدین حضرت ابراہیم اور حضرت ہاجر پر کہ رب کائنات سے حسن ظن کی کیا قابل مبارکباد اور قابل رشک مثال قائم کی۔ کہ ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام حسن ظن رکھتے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ (سورۃ ابراہیم: ۳۷) اور دوسری طرف حضرت ہاجر رب کائنات سے حسن ظن رکھتے ہوئے پانی کی تلاش میں لگی رہیں اور جب لخت جگر کی شدت پیاس ان کے لئے ناقابل دید ہونے لگی اور صفا و مروہ کے سات چکر مکمل ہو گئے تو رب کو بھی رہا نہ گیا اور اپنی نوازشوں کی انتہا کردی اور آب زمزم سے دونوں نے پیاس بجھائی اور ساتھ ہی ساتھ رب کائنات کے حکم سے فرشتے نے ہاجر کو تسلی دی اور ایک عظیم بشارت دیتے ہوئے کہا: ”لا تخافوا الضیعة فان ههنا بیت الله

یبنی هذا الغلام وابوه وان الله لا یضیع اهلہ“۔ (صحیح البخاری: ۳۳۶۳) فرشتے نے ان سے کہا تم ہلاکت کا خوف نہ کرو یہاں اللہ کا گھر ہے جس گھر کو یہ بچہ اور ان کے والد محترم تعمیر کریں گے اور یقین جانو اللہ کسی صورت میں اپنے ماننے والوں کو ضائع نہیں کرتا ہے معلوم ہوا کہ آج جو کعبۃ اللہ، آب زمزم اور صفا و مروہ کے فضائل و مناقب اور ان کی رونقیں اور بہاریں اپنے عروج پر ہیں اور ان مقدس مقامات کو رب کائنات نے بار بار لوٹنے والی جگہ اور بابرکت اور ہدایت و رحمت والی جگہ قرار دیا ہے تو یہ حضرت ابراہیم اور ہاجر علیہما السلام کا رب کائنات سے حسن ظن ہی کا نتیجہ ہے ارشادِ ربانی ہے: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: ۹۶) ”اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ (شریف) میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت و ہدایت والا ہے۔“ اسی طرح ایک مقام پر فرمایا: ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۵) ”ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنایا۔“ جاری ہے.....

تعالیٰ یقول: ”أنا عند ظن عبدي بي إن خيرا فخير وإن شرا فشر“ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۶۶۳) ”بے شک اللہ عز و جل فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے وہم و گمان کے مطابق ہوتا ہوں اگر اس نے اچھا گمان کیا تو اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر وہ بد ظن ہو گیا تو اس کے لئے شر ہی شر ہے۔“

اور روزِ قیامت بھی اللہ بندے کو ان کے وہم و گمان کے مطابق اٹھائے گا۔ عن جابر قال سمعت النبی ﷺ یقول ”یبعث کل عبد علی مامات علیہ“ (صحیح مسلم: ۲۸۷۸) حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ہر شخص کو (ایمان اور امید کی) اسی کیفیت میں اٹھایا جائے گا جس پر اس کو موت آئی تھی۔“

حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”إذا اراد الله بقوم عذابا اصاب العذاب من كان فيهم ثم بعثوا على اعمالهم“۔ (صحیح مسلم: ۲۸۷۹) ”جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینا چاہتا ہے تو اللہ کا عذاب ہر اس شخص پر آتا ہے جو وہاں رہتا ہے لیکن وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔“

یہی وجہ ہے کہ جب ہم انبیاء و رسولانِ عظام کی حیات مبارکہ کے ایک ایک لمحہ کو بنظر غائر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں جس میں رب کائنات سے ان کا حسن ظن کا رشتہ نہ رہا ہو کتنے ہی مشکل اور کٹھن حالات ان کے سامنے آئے ہوں لیکن وہ اپنے ایمان میں ثابت قدم رہے کبھی بھی اپنے ایمان کو ڈگمگانے نہیں دیا بلکہ تاقیامت آنے والی انسانیت کے لئے ایک نمونہ، اسوہ اور ضرب المثل بن گئے.....

چند واقعات مختصر پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت ابراہیم اور ہاجر علیہما السلام کا واقعہ مختصر اُیہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام رب کے حکم کی تعمیل میں حضرت ہاجر اور لخت جگر اسماعیل علیہ السلام کو بے یار و مددگار اور بے سہارا ویران جگہ پر چھوڑ کر جانے لگے تو ہاجر کو اپنے شوہر کی بے رخی و بے توجہی دیکھ کر رہا نہ گیا تو بول پڑیں: اے میرے آقا اور سرتاج کہاں جا رہے ہیں اس ویران جگہ میں چھوڑ کر جہاں نہ کوئی انس ہے اور نہ ہی کوئی مدد کا سہارا؟؟؟ بار بار اصرار کرنے کے باوجود جواب نہ ملا تو حضرت ہاجر نے کہا: کیا یہ رب کائنات کا حکم ہے؟ حضرت

طلاق کے چند مسائل

ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی حفظہ اللہ (رکن فقہ اکیڈمی، مکہ مکرمہ و استاد جامعہ محمدیہ منصورہ مالنگاؤں)

طلاق کا حکم:

سوال: طلاق کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے لیکن اس کو تمام مباح چیزوں میں ناپسند کیوں کیا ہے؟

جواب: سب سے پہلے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ: ”أَبْغَضُ الْحَلَائِلِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ“ (سنن ابی داؤد: ۲۱۷۸، و سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۸) والی حدیث کی بہت سے علمائے کرام نے جیسے ابن القیم، حافظ ابن حجر، منذری اور البانی وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔ دیکھئے: (عون المعبود: ۱۶۱/۶، نیل الاوطار: ۲۶۲/۶، الارواء: ۱۰۶/۷، ارقم: ۲۰۴۰)

اور امام خطابی - رحمہ اللہ - فرماتے ہیں کہ مکروہ طلاق نہیں، بلکہ وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر طلاق کا وقوع ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو مباح قرار دیا ہے اور نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کو طلاق دے کر پھر رجوع کیا، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک عورت تھی جسے وہ چاہتے تھے لیکن ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ ان کی صحبت پسند نہیں تھی، بنا بریں انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا: اے عبد اللہ! اسے طلاق دے دو، چنانچہ انہوں نے طلاق دے دی۔ (سنن ترمذی: ۱۱۸۹، و قال: و هذا حدیث حسن صحیح و مسند احمد: ۵۱۴۳، و حسنہ الالبانی) ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کسی ایسے امر کا حکم نہیں دے سکتے جو مکروہ اور اللہ کو ناپسند ہو۔ (معالم السنن: ۲۳۱/۳) اور علمائے کرام نے طلاق کی پانچ قسمیں ذکر کی ہیں: واجب، مندوب، جائز، حرام اور مکروہ۔

واجب: جب میاں بیوی کے درمیان خلاف و شقاق اس قدر

بڑھ جائے کہ حکمین کی رائے و فیصلہ کے مطابق نباہ کی کوئی شکل نہ ہو، اسی طرح مدت ایلا ختم ہونے کے بعد اگر شوہر رجوع نہ کرے تو بھی طلاق دینا واجب ہے۔

مندوب: جب امور شرعیہ میں عورت کوتاہی کرے اور میاں بیوی میں اختلاف ہو، اسی طرح جب ازالہ ضرر کے لئے خلع کرنا چاہتی ہو۔

مباح: جب عورت کی بد خلقی، سوء معاشرت اور ضرر کی بنا پر مرد کو طلاق کی ضرورت محسوس ہو اور اس سے خاطر خواہ مقصد نکاح حاصل نہ ہو۔

حرام: جب عورت حالت حیض میں ہو یا ایسے طہر میں جس میں اس سے مجامعت کی ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔

مکروہ: بلا ضرورت طلاق دینا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے نکاح جیسا ایک مقدس رشتہ بلا وجہ منقطع ہوتا ہے اور اس سے دو فرد ہی نہیں، دو خاندانوں میں اختلاف اور دشمنی پیدا ہوتی ہے، اگر بچے ہوں تو ان کا مستقبل خطرے میں پڑ جاتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت صحیح طریقے پر نہیں ہو پاتی، بنا بنایا گھر ویران ہو جاتا ہے دلوں کی دنیا اجڑ جاتی ہے اور عزت و آبرو داؤں پر لگ جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

حاملہ کی طلاق اور عدت:

سوال: زید نے اپنی اہلیہ کو تین طلاق بیک وقت دے دیا اور اس کی بیوی حاملہ ہے بایں صورت طلاق ہوگی یا نہیں اور مدت عدت کیا ہوگی واضح فرمائیں، فتویٰ مطلوب ہے فقط قرآن و حدیث کی رو سے، نہ کہ مسلک سے کیونکہ زید کا مسلک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

يُسْتَمَرُّ الرِّضَاعَةُ ﴿البقرة: ۲۳۳﴾ وہ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَفِضْلُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ (نقصان: ۱۴) اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے۔

اور جب حمل اور دودھ پلانے دونوں کی کل مدت ڈھائی مہینے ہے اور صرف دودھ پلانے کی اکثر مدت دو سال (۲۴ مہینے) ہے تو باقی چھ مہینے حمل کی اقل مدت ہوئی، اسی واسطے حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ائمہ اربعہ وغیرہ کا قول ہے کہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے اور شوہر سے ہم بستری کے چھ ماہ بعد اگر کسی عورت کے یہاں بچے کی ولادت ہو تو وہ صحیح النسب اور جائز حمل کا مانا جائے گا اور چھ ماہ سے قبل ولادت ہو تو وہ اس کا بچہ نہیں مانا جائے گا، ابو الاسود سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے چھ مہینے پر بچہ جنا تھا آپ نے اس کے رجم کرنے (زنا کی حد قائم کرنے) کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کو اس کا حق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کہ مائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں اگر وہ رضاعت کی مکمل مدت دودھ پلانا چاہتی ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا کہ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، اور دو سال چھ مہینے تیس مہینے ہوئے، اس واسطے اس پر رجم ثابت نہیں ہوا، چنانچہ حضرت عمر نے اسے چھوڑ دیا، یہ قول حضرت ابن عباس سے مروی ہے غرضیکہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے۔

حالت حمل میں تین طلاق:

سوال: ساجدہ بنت نور محمد حاملہ ہوں اور میرے چار بچے ہیں اور میرے شوہر نے بیک وقت تین طلاق دے دی ہے، ایسی حالت میں کیا ازروئے شریعت مجھے طلاق ہوئی یا نہیں؟ امید کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں گے۔

جواب: حاملہ عورت کو طلاق دینا جائز ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی اور ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: ”مُرُوهُ فَلْيَرَا جَعْلَهَا ثُمَّ لِيُطْلَقْهَا إِذَا طَهَّرَتْ أَوْ وَهِيَ حَامِلٌ“ (سنن ابی

جواب: حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں ایک طلاق دے دی تو اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: عبد اللہ کو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دو (کیونکہ حالت حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے) پھر اگر وہ طلاق دینا ہی چاہیں تو حالت طہر میں یا حالت حمل میں طلاق دیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت حمل میں طلاق دینا جائز ہے، اور ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے لہذا آپ کی طلاق واقع ہو گئی، البتہ چونکہ آپ نے تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں دی ہے اس لئے وہ شرعاً ایک ہی طلاق رجعی مانی جائے گی، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اس واسطے اگر آپ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھنا چاہتے ہیں اور آپ نے اس سے قبل اس کو دو شرعاً معتبر طلاق نہیں دی ہے تو عدت میں (یعنی وضع حمل سے پہلے) رجوع کر لیں، کیونکہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴) حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے، اور عدت ختم ہونے کے بعد عورت اور اس کے ولی کی رضا مندی سے از سر نو نکاح کرنا پڑے گا۔

مدت حمل کم از کم چھ ماہ:

سوال: استقرار حمل کے بعد کم از کم کتنی مدت میں بچے کی ولادت ہو سکتی ہے؟

جواب: استقرار حمل کے بعد کم از کم چھ ماہ کے بعد بچے کی ولادت ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف: ۱۵) یعنی بچے کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالْوَالِدَتُ يُرَضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ

داؤد: ۲۱۸۱، و صححہ الالبانی) یعنی انہیں حکم دیجئے کہ اس سے رجوع کر لیں پھر جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو حالت طہر میں یا حمل میں طلاق دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حالت حمل میں طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں اور ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاق اگرچہ بدی ہے مگر وہ بھی واقع ہو جاتی ہے البتہ احادیث نبویہ کی روشنی میں ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق ہی شمار کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اور رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی پھر انہیں اس پر بڑا افسوس ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم نے اسے کیسے طلاق دی ہے، انہوں نے کہا تین طلاق دی ہے آپ نے پوچھا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تب تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۲۰۶، وحسن اسنادہ الشیخ شعیب الأرئووط و سنن ابن ماجہ و مسند احمد: ۲۳۸۷)

اس واسطے آپ کے شوہر کی آپ کو ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاق ایک طلاق رجعی مانی جائے گی اور اگر شوہر چاہے تو عدت میں آپ سے رجوع کر سکتا ہے نہ عقد جدید کی ضرورت ہے نہ حلالہ کی اور آپ کی عدت وضع حمل ہے۔

صرف طلاق دینے کی دھمکی سے طلاق واقع

نہیں ہوتی:

سوال: عرض گزارش یہ ہے کہ میرا اور میری بیوی مہر النساء کا کچھ گھریلو جھگڑا ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کھانا کھانے بیٹھا۔ کھانے میں کچھ خرابی تھی جس کی وجہ سے میں نے اپنی بیوی کو دو تین تھپڑ مار دیا اور کہا تو ہمیشہ ایسے کرتی ہے اس لئے میں تجھے طلاق دیدوں گا اور تجھ کو تیرے میکے پہنچا دوں گا اور غصے میں میں نے اس کو میکے پہنچا دیا اس کے تین روز بعد اس کے گھر اس کو لانے گیا تو اس کے والدین نے کہا کہ تو نے ہماری لڑکی کو

طلاق دے دیا ہے اس لئے ہم اپنی بیٹی کو نہیں بھیجیں گے اور کہا کہ کسی مدرسہ یا مولانا سے فتویٰ لاتے ہم اپنی بیٹی کو بھیجیں گے، مفتی صاحب آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

جواب: شیخ مسین شیخ عثمان صاحب! اگر آپ نے واقعی اپنی بیوی کو مہر النساء سے صرف یہی کہا ہے کہ: تو ہمیشہ ایسے کرتی ہے اس لئے میں تجھ کو طلاق دیدوں گا اور تجھ کو تیرے میکے بھیج دوں گا اور پھر غصہ میں اس کو طلاق دے بغیر میکے پہنچا دیا، تو آپ کی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ ایسی صورت میں آپ نے اس کو مستقبل میں طلاق دینے کی صرف دھمکی دی ہے، طلاق نہیں دی ہے، اور بغیر طلاق دے اور واقع کئے صرف دھمکی سے طلاق نہیں ہوتی وقوع طلاق کے لئے ایقاع و انشاء طلاق ضروری ہے۔

انکار کی صورت میں ثبوت طلاق کے لئے دو

گواہوں کی شہادت ضروری:

سوال: تقریباً دس دن ہو گئے میرے اور سالے کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا بیچ بیچ میں میری بیوی سالے کی طرف سے بول رہی تھی میں نے کئی بار اس سے کہا کہ دیکھ تو بیچ میں مت بول ورنہ تجھے طلاق دے دوں گا، جبکہ میرا سالہ بضد تھا کہ تم میری بہن کو طلاق دو، میں اسے پال لوں گا وہاں بازو میں ایک آدمی رہتا تھا جس وقت جھڑپ ہو رہی تھی وہ وہاں موجود نہ ہونے کے باوجود جھوٹی گواہی دے رہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی ہے، حالانکہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، لہذا آنجناب سے التماس ہے کہ قرآن و حدیث سے دلیل دے کر مسئلہ کا حل بتائیں۔

جواب: اگر آپ کا بیان درست ہے اور واقعی آپ نے اپنی بیوی سے صرف یہی کہا تھا کہ دیکھو تم بیچ میں مت بولو ورنہ میں تمہیں طلاق دیدوں گا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ مستقبل میں طلاق دینے کی دھمکی تھی، ایقاع طلاق نہیں ہے، اور طلاق کے لئے وقوع ضروری ہے، صرف دھمکی سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

رہا آپ کے پڑوسی کا یہ گواہی دینا کہ آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہے تو اگر وہ اکیلے ہی اسکی گواہی دے رہا ہے تو اس کی گواہی معتبر و مقبول نہیں، کیونکہ طلاق میں کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ سورہ طلاق میں

فرماتا ہے: ﴿لَا أَشْهَدُ وَأَذْوِي عَذْلٍ مِنْكُمْ﴾ (الطلاق: ۲) اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى﴾ (البقرة: ۲۸۲) اور مختصر الخرقی میں ہے: ”وَلَا تُقْبَلُ فِيمَا سَوَى الْأَمْوَالِ مِمَّا يَطْلُعُ عَلَيْهِ الرَّجَالُ لِأَقْلٍ مِنْ رَجُلَيْنِ وَلَا يُقْبَلُ فِي الْأَمْوَالِ أَقْلٌ مِنْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ، وَرَجُلٍ عَذْلٍ مَعَ يَمِينِ الطَّالِبِ“ (مختصر الخرقی: ۱۵۵)

اور فقہ السنہ (۴/۱) میں ہے: ”تقبل شهادة الرجلين دون النساء في جميع الحقوق وفي الحدود ما عدا الزنا الذي يشترط فيه أربعة شهود- الى قوله- وقالت الاحناف: شهادة النساء مع الرجال جائزة في الاموال والنكاح والرجعة والطلاق وكل شيء إلا في الحدود والقصاص، ورجح هذا ابن القيم“

طلاق دینا شوہر کا حق ہے:

سوال: زاہد کی بیوی اپنے گھر حجت و تکرار کر کے اپنے میکے چلی گئی، اس کے جانے کے چند روز بعد زاہد کے چھوٹے بھائی کی بیوی نے ایک پرچی پر طلاق طلاق لکھ کر اور نیچے زاہد کی جعلی دستخط کر کے زاہد کی لاعلمی میں اس کی سسرال بھیج دیا زاہد کی سسرال والوں نے اس پرچی کو بنیاد بنا کر یہ مان لیا کہ زاہد نے طلاق دے دی ہے، جبکہ زاہد نے طلاق نہیں دی ہے، نہ اپنی بیوی کو چھوڑنے کی اس کی مرضی ہی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں زاہد کی بیوی کو طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اور زاہد کو اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے کیا کرنا ہوگا۔ تسلی بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

جواب: اگر یہ بات درست ہے کہ زاہد نے اپنی بیوی کو نہ اپنی زبان سے نہ تحریری طور پر طلاق دی ہے، اور جو تحریری طلاق نامہ اس کی سسرال گیا ہے اس میں اس کی اجازت اور رضا مندی کا بالکل دخل نہیں اور واقعی اسکے چھوٹے بھائی کی بیوی نے اس کے حکم اور اجازت کے بغیر ایک پرچی پر طلاق طلاق لکھ کر اور زاہد کی جعلی دستخط کر کے زاہد کی لاعلمی میں اس کی سسرال میں بھیج دیا ہے تو ایسی صورت میں زاہد کی بیوی پر کوئی طلاق واقع

نہیں ہوئی، اور اس کی بیوی جیسے اس واقعہ سے قبل اس کی زوجیت میں تھی اب بھی اس کی زوجیت میں ہے، نہ رجوع کی ضرورت ہے نہ از سر نو عقد نکاح وغیرہ کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ﴾ (الاحزاب: ۴۹) جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں طلاق دو، اس میں طلاق کے سلسلہ میں خطاب شوہروں سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ“ (رواہ ابن ماجہ: ۲۰۸۱، وحسنہ الشیخ الالبانی)

طلاق کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی، یعنی (شوہر کو) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”إِنَّمَا الطَّلَاقُ بِيَدِ الَّذِي يَحْلُلُ لَهُ الْفَرْجُ“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲۷۶) طلاق صرف اس کے لئے ہے جس کے لئے شرمگاہ حلال ہے۔ ان تمام دلیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دینے کا حق شوہر کو ہے اور شوہر کے علاوہ دوسرے کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں، اس واسطے جب زاہد نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے تو اس کے چھوٹے بھائی کی بیوی کا ایک پرچی پر طلاق طلاق لکھ کر اور زاہد کی جعلی دستخط کر کے بھیجنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی، اس کا یہ عمل بالکل لغو اور باطل ہے جس کا زاہد کی زوجیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وقوع طلاق کے لئے بیوی کا سننا یا قبول کرنا شرط نہیں:

سوال: ہمارے یہاں خانگی معاملات میں جھگڑا ہوا اور اسی جھگڑے نے طول پکڑا نوبت مار پیٹ تک پہنچی اور شوہر نے بیوی کو مارا اور تین طلاق بھی دے دی لیکن بیوی کہتی ہے کہ میں طلاق نہیں مانوں گی، تو کیا یہ طلاق واقع ہوگئی یا نہیں، بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق دیتے ہوئے نہیں سنا ہے اس لئے نہیں مانوں گی، براہ کرم اس مسئلہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

جواب: مذکورہ بالا صورت میں آپ کی طلاق واقع ہوگئی ہے، کیونکہ طلاق وقوع طلاق کے لئے بیوی کا سننا یا قبول کرنا یا بیوی کے سامنے طلاق دینا ضروری نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے شوہر جو مدینہ منورہ سے باہر گئے ہوئے تھے وہیں سے

عدم موجودگی میں طلاق دینے سے بھی واقع ہو جاتی ہے، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر نے دوسری جگہ سے طلاق بھیج دی اور رسول اللہ ﷺ نے اس طلاق کو واقع مانا۔ (صحیح مسلم: ۱۲۸۰)

البتہ شخص مذکور نے چونکہ تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں دی ہے اس واسطے یہ ایک طلاق رجعی ہوئی کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۲۷۲)

اور چونکہ ابھی عدت ختم نہیں ہوئی ہے اس لئے کہ اس کی مطلقہ بیوی چار ماہ کے حمل سے ہے اور مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اس واسطے شخص مذکور اگر چاہے تو وضع حمل سے پہلے پہلے اس سے رجوع کر کے اپنی زوجیت میں واپس لاسکتا ہے، ابھی عقد جدید کی بھی ضرورت نہیں ہے، حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی پھر بہت غمگین ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی ہے؟ انہوں نے کہا: تین، آپ نے پوچھا: ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: تب تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے اگر چاہو رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۲۰۶، وحسن اسنادہ الشیخ شعیب الأرئووط و سنن ابن ماجہ و مسند احمد: ۲۳۸۷)

البتہ عدت ختم ہونے (یعنی بچہ کی ولادت) کے بعد از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا۔

بیوی کی عدم موجودگی میں طلاق:

سوال: ایک شخص نے اپنی ماں اور دو آدمیوں کے سامنے اپنی بیوی کی عدم موجودگی میں طلاق دے دی جملہ کچھ اس طرح ادا کیا کہ: میں اپنی ہوش و حواس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق۔ اس کے بعد جب اس کے ہوش و حواس بحال ہوئے تو اپنے کہنے پر پچھتا یا۔ برائے مہربانی کتاب و سنت کی روشنی میں اس طلاق کے احکام سے روشناس کرائیں۔

انہیں طلاق بھیج دی اور یہ طلاق واقع مانی گئی اور طلاق بٹہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَيْسَ لَكَ نَفَقَةٌ“ تمہارے لئے عدت کا نفقہ نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۲۸۰)

البتہ چونکہ آپ نے اپنی بیوی کو تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں دی ہے اور اس سے قبل کوئی طلاق نہیں دی ہے اس واسطے ابھی یہ ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۲۷۲) اور آپ چاہیں تو عدت میں رجوع کر سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے رجوع کی اجازت دی اور انہوں نے رجوع بھی کر لیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۲۰۶، وحسن اسنادہ الشیخ شعیب الأرئووط و سنن ابن ماجہ و مسند احمد: ۲۳۸۷)

عدت ختم ہو جانے کے بعد از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا، حلالہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کچھ تنازعہ کیا، بیوی غصہ سے اپنے میکے چلی گئی، اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، شوہر اپنی بیوی اور بچے سے ملنے اپنے سرال گیا تو انہوں نے بچہ نہیں دیا اور ساس نے اپنے داماد کو کچھ الفاظ کہے اس کے بعد چچا سرس نے یہ بھی کہا بچہ ہمارا ہے اور کچھ غلط الفاظ بھی کہے اور بچے کو دینے سے انکار کر دیا تو بچے کے والد نے یہ کہا کہ تم کون ہوتے ہو درمیان میں بولنے والے؟ اس پر چچا سرس نے داماد کو ایک ہاتھ رسید کر دیا، اس کے بعد داماد نے گھبراہٹ اور غصہ کے عالم میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اور سرال والوں نے یہ کہا کہ ہم نے طلاق دیتے ہوئے نہیں سنا اور حال یہ ہے کہ بیوی چار ماہ کے حمل سے بھی ہے تو کیا اس صورت میں بغیر بیوی کے سنے ہوئے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا جواب دیں۔

جواب: صورت مذکورہ بالا میں طلاق واقع ہو گئی ہے کیونکہ وقوع طلاق کے لئے بیوی کا اسے سننا ضروری نہیں ہے، بیوی کی

جواب: آپ کے استفتا سے یہ ظاہر نہیں ہے کہ اس شخص نے کس حالت میں طلاق دی ہے، ہوش و حواس کے عالم میں یا بیہوشی کے عالم میں، کیونکہ پہلے آپ نے یہ لکھا کہ اس نے اس طرح کا جملہ ادا کیا کہ میں اپنی ہوش و حواس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں اور آگے چل کر لکھتے ہیں جب اس کے ہوش و حواس بحال ہوئے تو اپنے کہنے پر پچھتا یا۔

بہر حال! اگر وہ شخص طلاق دیتے وقت شدت غضب یا کسی اور وجہ سے اس حالت میں تھا کہ اس کی زبان سے کیا نکلا اور اس نے کیا کہا یہ اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو، تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ یہ مجنون کے حکم میں ہو کر مرفوع القلم ہوا۔ اور اگر اس نے سوچ سمجھ کر طلاق دی ہے جیسا کہ الفاظ طلاق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگئی، کیونکہ بوقت طلاق بیوی کا موجود رہنا اور اسے مخاطب کر کے طلاق دینا ضروری نہیں بلکہ بیوی مجلس طلاق سے غائب ہو تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ چونکہ اس شخص نے ایک ہی مجلس میں تینوں طلاقیں دی ہیں اس وجہ سے وہ شرعاً ایک طلاق رجعی مانی جائے گی، کیونکہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

نیز انھیں کی دوسری حدیث ہے کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی پھر انہیں اس پر بڑا افسوس ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نے اسے کیسے طلاق دی ہے، انہوں نے کہا تین طلاق دی ہے آپ نے پوچھا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تب تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۲۰۶، وحسن اسنادہ الشیخ شعیب الأرئوطی و سنن ابن ماجہ و مسند احمد: ۲۳۸۷)

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق شرعاً ایک طلاق رجعی ہے اور شوہر مدت عدت میں اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، لہذا اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو اس سے قبل دو شرعاً معتبر طلاق نہیں دی ہے تو وہ مدت عدت میں رجوع

کر سکتا ہے، اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے اور وہ شخص اس عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس عورت کی اور اس کے ولی کی رضامندی سے مہر جدید کے ساتھ از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا، کیونکہ وہ ایسی صورت میں بائن بینونہ صغریٰ ہوگئی ہے، اور اگر وہ شخص اپنی اس بیوی کو اس سے قبل دو شرعاً معتبر طلاق دے چکا ہے اور یہ اس کی تیسری طلاق ہے تو اب یہ عورت اس شخص کے لئے اس وقت حلال ہوگی جب کسی دوسرے مرد سے ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے (حلالہ کی نیت سے نہیں) نکاح کر لے اور وہ دوسرا مرد اس سے جماع کرے پھر اس کا انتقال ہو جائے یا کسی وجہ سے اسے طلاق دے دے اور اس کی عدت ختم ہو جائے، اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں۔

معلوم رہے کہ اگر عورت کو حیض آتا ہے تو طلاق کے بعد تین حیض آ جانے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل ہو جانے سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

جبر و کراہ سے لی گئی طلاق کا حکم:

سوال: ۱۲/۵، ۱۹۹۵ء کورات ۱۱ بجے نظیر احمد اور ان کی اہلیہ اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک پندرہ بیس شرپسند گھر میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کیا اور نظیر احمد سے زبردستی ایک ہی نشست میں تین طلاق دینے پر مجبور کیا تو نظیر احمد نے مارے ڈر کے طلاق کے الفاظ کہے حالانکہ ان کی نیت نہیں تھی، اس عورت سے نظیر احمد کے تین بچے ہیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں، کتاب وسنت کی روشنی میں مفصل جواب دے کر مشکور ہوں۔

جواب: جبر و کراہ کے ذریعہ دی گئی طلاق رائج مذہب کے مطابق واقع نہیں ہوتی کیونکہ ارشاد باری ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (النحل: ۱۰۶) ایمان قبول کرنے کے بعد جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا سوا ان لوگوں کے جن کے اوپر جبر کیا گیا اس حال میں کہ ان کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے (ان پر کوئی مواخذہ نہیں) لیکن جن کا کفر واضح ہو ان پر اللہ کی ناراضگی اور دردناک عذاب ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ اللّٰهَ قَدْ تَجَاوَزَ

عَنْ أَمَّتِي الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ، وَمَا اسْتَكْرَهُوا عَلَيْهِ“ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۳ وصحیحہ الانبانی) یعنی میری امت سے خطا و نسیان اور جس کام کو ان سے بچر واکراہ کرایا گیا ہو وہ اللہ نے معاف کر دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص رسی باندھ کر شہد نکالنے کے لئے ایک درخت پر چڑھا، اتنے میں اس کی بیوی آئی اور رسی کے پاس کھڑی ہو کر کہا: مجھے طلاق دو ورنہ رسی کاٹ دوں گی اور گر کر مرجائے گا، اس نے اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانی تو اس نے تین طلاق دے دی یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اس عورت کو اس کے پاس واپس کر دیا، اور طلاق کو شمار نہیں کیا۔ (کتاب السنن الصغیر للبیہقی: ۲۶۹۰)

البتہ علمائے اکراہ کی تین شرطیں بیان کی ہیں:

- ۱۔ اکراہ کرنے والا جس کی دھمکی دے رہا ہے اس کے کرنے پر قادر ہو جیسے حاکم یا چور ڈاکو، اور بد معاش لوگ۔
 - ۲۔ مکروہ کو یقین یا غالب گمان ہو کہ اگر وہ انکار کر دے گا تو یہ لوگ جس چیز کی دھمکی دے رہے ہیں وہ کر گذریں گے۔
 - ۳۔ جس چیز کی دھمکی دی جائے اس میں ضرر کثیر ہو مثلاً قتل، ضرب شدید، لمبی مدت تک قید یا اغوا وغیرہ محض گالی گلوچ کرنا یا مختصر مال کے چھین لینے کی دھمکی اکراہ نہیں۔ (الشرح الكبير) (۳۶۷/۲)، (بدایۃ المجتہد) (۶۱/۲)، (المہذب) (۷۸/۱)، (مغنی المحتاج) (۲۸۹/۳)، (المغنی) (۳۵۳/۱۰)
- لہذا اگر آپ کی اس طلاق میں اکراہ کی یہ تینوں شرطیں موجود تھیں تو یہ طلاق مکروہ ہونے کی وجہ سے واقع نہیں ہوئی اور اگر تینوں شرطیں نہیں پائی گئیں تو طلاق واقع ہوگئی، مگر یہ شرعاً ایک طلاق مانی جائے گی، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۲۷۲)

اسی طرح ان کی دوسری حدیث ہے کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی، پھر انہیں اس پر بڑا افسوس ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا

کہ تم نے اسے کیسے طلاق دی ہے؟ انہوں نے کہا: تین طلاق دی ہے، آپ نے پوچھا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا تب تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو، چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۲۰۶، وحسن اسنادہ الشیخ شعیب الارنؤوط و سنن ابن ماجہ و مسند احمد: ۲۳۸۷)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق شرعاً ایک ہی شمار ہوگی اور شوہر مدت عدت میں رجوع کر سکتے ہیں اور عدت کے بعد از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا، اور اگر اس سے پہلے دو شرعاً معتبر طلاق دے چکے ہیں اور یہ تیسری طلاق ہے تو اب دوبارہ اس کو اس وقت اپنی زوجیت میں لا سکتے ہیں جب وہ دوسرے مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے نکاح کرے پھر ہم بستری کے بعد وہ اسے طلاق دے دے یا انتقال ہو جائے، پھر اس کی عدت ختم ہو جائے، اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال: ضروری تحریر یہ ہے کہ میری بیوی یا سمین فردوس نے کچھ نا خوشگوااری کی بنا پر مجھ سے زبردستی خلع کیا اور مجھ سے زبردستی طلاق دلوائی گئی۔

زبردستی بھی کچھ اس طرح تھی کہ مجھ کو اپنے وطن سے پانچ سو کلومیٹر دور کے فاصلے پر ایک کمرے میں غنڈے لگا کر میری بے عزتی کی گئی اور تقریباً ایک گھنٹہ تک مجھ کو بار بار اسٹامپ پیپر پر دستخط کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا۔

میں ہر بار انکار کرتا رہا میرے انکار کرنے سے انہوں نے ماں بہن کی گالیاں دیں جب میں نے کہا کہ مجھے گالیاں مت دو، تو انہوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا، میں نے ان سے اپنی جان بچانے کے لئے طلاق کی نیت کے بغیر تین مرتبہ طلاق طلاق کہہ دیا اور اسٹامپ پیپر پر دستخط بھی کر دیا۔

مگر آج بھی میں یہی کہوں گا کہ میں نے اپنی بیوی کو اپنی مرضی سے کوئی طلاق نہیں دی ہے اور نہ دل سے کوئی دستخط کیا ہے، یہ سب میری مرضی اور دل کی نیت کے بغیر اور زبردستی کرایا گیا ہے، ظالموں کے ظلم سے تنگ آ کر میں نے اپنی جان بچانے کے لئے طلاق دیا ہے۔

اب مفتی صاحب مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں

مُطْمَئِنِّ بِالْإِيْمَانِ ﴿ (النحل: ۱۰۶) یعنی جو مسلمان کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لئے قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کرے مگر اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اس پر کفر کے احکامات نافذ نہیں ہوں گے۔

لہذا جس طرح مجبور و مکرہ کے کفر کا اعتبار نہیں اسی طرح مجبور و مکرہ کی طلاق کا بھی اعتبار نہیں ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص شہد نکالنے کے لئے ایک درخت پر رسی باندھ کر چڑھا، جب وہ اوپر چڑھ گیا تو اس کی بیوی رسی کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگی: مجھے طلاق دو، ورنہ رسی کاٹ دوں گی اور گر کر ختم ہو جاؤ گے، اس نے اسلام اور اللہ کا وسطہ دیا مگر وہ نہ مانی اور یہی کہا کہ مجھے تین طلاق دو نہیں تو رسی کاٹ دوں گی مجبوراً اس نے طلاق دے دی، اترنے کے بعد اس نے حضرت عمر کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا تو انہوں نے عورت کو اس کے پاس واپس کر دیا اور اس کی طلاق کا اعتبار نہیں کیا۔ (کتاب السنن الصغیر للبیہقی: ۲۶۹۰)

بہر حال مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے دی گئی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی ہے، یہی حضرت عمر، علی، ابن عمر، ابن زبیر اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اور اسی کے قائل عبداللہ بن عبد بن عمیر، عکرمہ، حسن، جابر بن زید، شریح، طاووس، عمر بن عبدالعزیز، ابن عون، ایوب سختیانی، اور امام مالک، شافعی، احمد، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، اور ابو عبیدہ ہیں، اور یہی رائج اور حق ہے۔

اور سوال میں آپ نے خلع کا تذکرہ کیا ہے، مگر اسٹامپ پیپر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ خلع نہیں ہے، کیونکہ خلع کہتے ہیں: کچھ عوض دے کر شوہر سے طلاق لینے کو اور یہاں آپ کی بیوی نے آپ کو طلاق کے عوض کچھ نہیں دیا ہے، بلکہ اس کے باپ نے آپ کو غنڈوں سے پٹوایا اور بے عزتی کی ہے، اس واسطے اس کو خلع کہنا باطل ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر آپ کا مذکورہ بالا بیان درست ہے اور واقعی آپ نے جان بچانے کے لئے اسے مجبوراً طلاق دی ہے تو آپ کی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، اور آپ اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں، نہ رجوع کی ضرورت ہے اور نہ عقد حدی کی۔

مجھے بتائیں کہ کیا واقعی میری طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ مجھ کو میری بیوی کو پھر اپنی زوجیت میں لانا اور رکھنا ہے، میری بیوی بھی اپنی مرضی سے واپس میرے پاس آنا چاہتی ہے، اور ہم دونوں پھر سے ایک ہونا چاہتے ہیں اس صورت میں ہم کو کیا کرنا ہوگا؟

جواب: اگر آپ کا مذکورہ بالا بیان درست ہے اور واقعی آپ سے آپ کے سسرال والوں نے بکیر و اکراہ طلاق دلوائی ہے اور آپ نے اپنی جان بچانے کے لئے مجبوراً طلاق دی ہے تو آپ کی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَن أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتَكْرِهُوا عَلَيْهِ“ (رواہ ابن ماجہ فی سننہ (۲۰۴۳)، والطحاوی فی شرح معانی الآثار (۴۶۴۹)، والحاکم فی المستدرک (۲۸۰۱)، والدارقطنی فی سننہ (۴۳۵۱)، وابن حبان فی صحیحہ (۷۲۱۹)، ورجالہ ثقات، وسندہ قوی، وحسنہ النووی، وقال الألبانی: صحیح)

یعنی اللہ نے میری امت سے خطا، بھول چوک اور جس کام پر مجبور کیا گیا ہو، اس کو معاف کر دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: ”لَا طَّلَاقَ، وَلَا عَتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ“ (اخرجه ابن ماجه (۲۰۳۶) ، ابوداؤد (۲۱۹۳) و أحمد (۲۶۳۶۰)، والحاكم (۲۸۰۲)، و البيهقي في السنن الكبرى (۱۵۰۹۷)، وهو حديث حسن، انظر رازان المعاد: ۲۰۱/۵)

یعنی اغلاق کی حالت میں دی گئی طلاق اور آزادی صحیح نہیں
، اور اغلاق کا معنی ابو العباس المبرد کے بقول دل کی تنگی، قلت صبر
اس طرح کہ اس کے بغیر راہ نجات نہ ہو، اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں
کہ اس سے مراد مجبوری اور اکراہ کی حالت ہے۔ اور ابن تیمیہ
فرماتے ہیں کہ اس میں مکرمہ (مجبور کیا گیا شخص) مجنون اور جس کی
عقل نشہ یا شدت غضب کی وجہ سے زائل ہو گئی ہو سب داخل
ہیں۔ (”تہذیب السنن“ لابن القیم (۱۱۷/۳))

نیز اہل علم کو معلوم ہے کہ بدرجہ مجبوری جان بچانے کے لئے کلمہ کفر بھی زبان سے کہہ دینا جائز ہے اور عند اللہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے ﴿لَا مَنَٰكِرَۤہٗ وَّ قَلْبَہٗ

جنوری ۲۰۱۷ء میں اسلامک انفارمیشن سینٹر کی جانب سے منعقد کیے گئے پروگرامز کی ایک جھلک

WhatsApp: 9080807836 Website: islamicmessage.com IslamicInfoCentre

CHARITABLE AMBULANCE

Service Available At Charitable Rates

An Islamic Information Centre Initiative In Service Of Humanity

✓ A/C ✓ Non A/C ✓ Oxygen

24x7
Service with
Oxygen Facilities.

ऑक्सीजन
ए.सी.
नॉन ए.सी.

24x7
सुविधा
ऑक्सीजन
सुविधा के साथ



KMS	IIC Charitable Ambulance AC Rates	Market Price for Tata Winger Ambulance
0-5 Kms	250/-	800/-
5-10 Kms	400/-	1200/-
10-15 Kms	600/-	1600
15-20 Kms	800/-	2400/-
20-25 Kms	1000/-	3000/-

- ✓ OXYGEN CYLINDER @ RS. 50/- PER HOUR.
- ✓ WAITING RS. 50/- PER HOUR.
- ✓ A/C ADDITIONAL RS. 50 PER 5 KM FOR AC.



आई.आई.सी. चैरिटेबल एम्बुलेंस
कम रकम पर
एम्बुलेंस सेवा उपलब्ध

सर्विस सिर्फ शीव, कुर्ला, धारावी एवं माटुंगा के लिए



For Booking Call*

80 80 80 78 37

*SUBJECT TO AVAILABILITY OF AMBULANCE

FOR ANY SUGGESTIONS / COMPLAINTS CALL : 8291063785

If Undelivered Please Return To



Ahl us Sunnah

To,

Book Post

IIC Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
 opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070.
 Ph. 26 500 400 / 64269999